جلد ۶۶ جنوری ۱۹۶۷ء عدد ۴

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مرتبہ

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

سالانہ چندہ ۷ روپے قیمت فی پرچہ ۷۵ پیسے

ترجمان القرآن، لاہور

فہرست مضامین

جلد ۶۶	جنوری سنہ ۱۹۶۷ء	عدد ۵

سالانہ چندہ	ماہنامہ ترجمان القرآن	قیمت فی پرچہ
سات روپے	۵ - اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور	۷۵ پیسے

ابوالخیر مودودی پرنٹر پبلشر نے پاکستان پرنٹنگ ورکس میں چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن، اچھرہ، لاہور سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اشارات

پچھلے مہینے (دسمبر ۱۹۶۶ء) کے آغاز میں جماعت اسلامی کی مرکزی مجلسِ شوریٰ کا اجلاس لاہور میں منعقد ہوا تھا۔ یہ اجتماع قریب قریب ایک ہفتہ تک رہا۔ اس میں معمول کے مطابق جماعت کے گذشتہ سال کے پورے کام کا جائزہ لیا گیا اور آئندہ سال کے لیے پروگرام طے کیا گیا۔

جماعت اسلامی کے دستور کی رُو سے اُس کی مجلسِ شوریٰ اُس کے نظام کا سب سے زیادہ بااختیار ادارہ ہے جس کو ارکانِ جماعت اپنے براہِ راست ووٹوں سے منتخب کرتے ہیں اور ارکان کے اجتماعِ عام کی غیر موجودگی میں یہی مجلس اس کی پوری تنظیم اور تحریک کو کنٹرول کرتی ہے۔ اجتماعِ ارکان کے بعد یہ جماعت کی سب سے بڑی، سب سے زیادہ مؤثر اور سب سے زیادہ مقتدر مجلس ہے۔ یہی جماعت کے پورے کام کی نگرانی کرتی ہے اور یہی اُس کی جدوجہد کے خطوط متعین کرتی ہے۔ اس کے فیصلوں کا جماعت کا ہر رُکن پابند ہے۔ اگرچہ جماعت کے نظام میں اختیار کے اصل امین ارکانِ جماعت ہیں لیکن چونکہ اتنی بڑی اور تمام ملک میں پھیلی ہوئی تعداد کو ہر وقت جمع کرنا اور ہر مسئلے پر اس سے مشورہ لینا قریب قریب ناممکن ہے اس لیے جماعت کے دستور میں انہیں اس بات کا حق دیا گیا ہے کہ وہ اپنی اس امانت کو ایک متعین مدت کے لیے ایک منتخب مجلس (یعنی مجلسِ شوریٰ) کے سپرد کر دیا کریں۔ اسی بنا پر اس مجلس کے فیصلے درحقیقت جماعت اسلامی کے فیصلے ہی خیال کیے جاتے ہیں اور انہیں صرف جماعت کے اندر ہی نہیں بلکہ ملک میں بھی جماعتی فیصلوں کی حیثیت دی جاتی ہے۔

اسی بنا پر مجلسِ شوریٰ کا اجلاس جماعتی زندگی میں بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ مجلس جس طریقہ سے ملکی اور جماعتی حالات کا جائزہ لیتی اور آئندہ کے لیے کام کا نقشہ تیار کرتی ہے وہ جماعت کے ارکان اس کے ہمدردوں اور بہی خواہوں اور پورے ملک کے لیے بڑے دُور رس نتائج کا حامل ہوتا ہے۔

ہم اپنی گفتگو کا آغاز مجلسِ شوریٰ کے اُس جائزہ سے کرتے ہیں جو اُس نے ملکی صورتِ حال پر غور کرتے ہوئے پیش کیا ہے، کیونکہ جب تک ہمارے سامنے وہ پسِ منظر پوری طرح نہیں آجاتا جس میں جماعت کام کر رہی ہے ہم جماعت اسلامی کی سرگرمیوں کا صحیح طور پر اندازہ نہیں کر سکتے۔ مجلسِ شوریٰ کے اس معاملے میں جو تاثرات تھے اُن کی ترجمانی میاں طفیل محمد صاحب نے مندرجہ ذیل الفاظ میں کی ہے:

"اس دوران میں کام کی راہ میں جو مشکلات حائل رہیں اور سامنے آئی ہیں ان میں خارجی مشکلات بھی ہیں اور داخلی بھی۔ خارجی مشکلات میں سب سے بڑی مشکل یہ پیش آرہی ہے کہ رابطۂ عوام کے ذرائع اور سیاسی و اجتماعی سرگرمیوں پر روز افزوں پابندیوں نے عام باشندگانِ ملک کو اس بات سے قریب قریب مایوس کر دیا ہے کہ آئینی اور جمہوری طریقوں سے بھی یہاں اصلاحِ حال کی کوئی صورت پیدا کی جاسکتی ہے۔ قانون تحفظِ عامہ، کریمنل لا امنڈمنٹ ایکٹ، سکیورٹی ایکٹ اور پریس آرڈی ننس وغیرہ نے پہلے ہی شہری آزادیوں کو بڑی حد تک مفلوج کر رکھا تھا، لیکن ستمبر ۱۹۶۵ء میں ہنگامی حالات کے اعلان اور پھر بنیادی حقوق کی معطلی، ہائی کورٹوں سے براہِ راست فریاد رسی کی درخواستوں پر پابندی اور ڈیفنس آف پاکستان رولز کے نفاذ نے تو بالخصوص مغربی پاکستان میں بالکل مارشل لا کی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ اس پر بھی بس نہیں، اعلانِ تاشقند پر دستخط کر کے صدرِ پاکستان ابھی تاشقند ہی میں تھے کہ راولپنڈی میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی گئی۔ اور جلسے، جلوس اور مظاہرے تو درکنار کسی کھلی جگہ پر پانچ یا اس سے زائد آدمیوں کا جمع ہونا بھی ممنوع کر دیا گیا۔ اور پھر اس کے بعد سے تو ضابطۂ فوجداری کی یہ دفعہ ہی سارے صوبے میں دستور و قانون بن گئی ہے۔

بعض مقامات پر اب ایک قدم اس سے آگے بڑھا دیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ برسرِ عام تو کُجا

کسی پرائیویٹ جگہ یا مکان میں بھی کوئی سیاسی اجلاس نہیں کیا جا سکتا۔ کوئی پمفلٹ، دو ورقہ یا اشتہار تقسیم نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اس طرح کی کوئی شے پڑھنا بھی ممنوع ہے۔ صوبائی دارالحکومت میں تو یہ پابندی بھی لگا دی گئی ہے کہ کارپوریشن کی اجازت کے بغیر اور اس کے نوٹس بورڈوں کے سوا کسی جگہ نہ تو کوئی چیز چسپاں کی جا سکتی ہے اور نہ لکھی جا سکتی ہے۔"

سیاسی جبر کے اس تنگ و تاریک ماحول میں ظاہر بات ہے کہ کوئی تحریک اپنی اجتماعی سرگرمیوں کو جاری نہیں رکھ سکتی۔ جماعت کو قدم قدم پر جن نامساعد حالات سے دوچار ہونا پڑا ہے اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ مغربی پاکستان کے امیر نے قریب قریب سارے مغربی پاکستان کا دورہ کیا لیکن سوائے ایک ضلعی اجتماع کے کہیں دوسرا اجتماع نہ منعقد کیا جا سکا۔ اور جن منتظمین نے اس کی جرأت کی اُن سے دو دو ہزار روپے کی ضمانتیں طلب کر لی گئیں۔ ضمانتوں اور پابندیوں کا یہ سلسلہ کسی ایک مقام سے وابستہ نہیں بلکہ ہر اُس مقام پر جہاں ذرا سی سیاسی حرکت پیدا ہوتی ہے اور کوئی ایسا با اثر فرد یا گروہ جو حکومت کا منظورِ نظر نہ ہو، کوئی بات کہنا چاہتا ہے، وہاں اس نوعیت کی ناروا پابندیاں فوراً عائد کر دی جاتی ہیں۔ اس معاملے میں اتنی غیر معمولی چوکسی کا ثبوت دیا جاتا ہے کہ بعض مقامات پر تربیت گاہیں تک منعقد کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی جن کا مقصد کارکنوں کی ذہنی و اخلاقی اور دینی تربیت کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔

یہ تو ہوئی اجتماعات پر پابندی۔ قلم پر اس سے بھی زیادہ کڑے اور سخت پہرے بٹھائے گئے ہیں۔ کسی ایسی چیز کی اشاعت گوارا نہیں کی جاتی جو حکومت کے نقطۂ نظر سے مختلف ہو۔ جماعت اسلامی لاہور نے "اسلام اور خاندانی منصوبہ بندی" کو پمفلٹ کی صورت میں طبع کرا کے صوبے میں پھیلانے کا انتظام کیا تو اُسے ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت ضبط کر لیا گیا۔ اس کے چند روز بعد "اسلام اور ضبطِ ولادت" کا بھی یہی حشر ہوا۔ یہ تو خیر پمفلٹ اور کتاب کی بات ہے سٹینسل تک کے لگانے میں طرح طرح کی رکاوٹیں پیدا کی جاتی ہیں۔ راولپنڈی میں جماعت کے کارکنوں نے خاندانی منصوبہ بندی کے بارے

میں چند سٹینسل لگائے تو سٹی مجسٹریٹ صاحب نے انہیں اپنی عدالت میں طلب کر کے اُن سے باز پرس کی اور انہیں ڈرایا دھمکایا۔ لیکن جب وہ ان دھمکیوں سے مرعوب نہ ہوئے تو پھر ان کارکنوں کے خلاف سر تا پا جھوٹے اور مضحکہ خیز مقدمے درج کیے گئے جن میں سے ایک یہ تھا کہ ان لوگوں نے خاندانی منصوبہ بندی کا ایک بورڈ چرا لیا ہے۔ جن حضرات کے خلاف یہ کارروائی کی گئی ان میں ایک صاحب یونین کونسل کے چیئرمین ایک حلقۂ متفقین کے ناظم، ایک قیم جماعت اور دو ارکانِ جماعت ہیں۔

یہ صورتِ حال کسی ایک شہر یا ضلع تک محدود نہیں بلکہ ہر جگہ اسی قسم کی جابرانہ کارروائیاں کی جا رہی ہیں۔ بعض شہروں میں تو جماعت اسلامی کے کارکنوں کے خلاف سیاسی اور جھوٹے مقدمات کا ایک لامتناہی سلسلہ چل رہا ہے۔ ڈیرہ غازی خان میں جماعت کے کارکنوں پر پچاس مقدمات بنائے گئے جن میں پچیس افراد کو پھانسا گیا۔ ان میں سے بیالیس مقدمات اب تک خارج ہو چکے ہیں اور باقی چل رہے ہیں

صوبے کی انتظامیہ کا مزاج کس حد تک "نازک اور حسّاس" ہو چکا ہے اس کا اندازہ کرنے کے لیے عقل کی کوئی زیادہ مقدار اور مشاہدہ کی کوئی غیر معمولی قوت درکار نہیں۔ آرڈی ننسوں نے اُن کے حوصلے بے حد بڑھا دیئے ہیں اور وہ بڑی دلیری کے ساتھ جو چاہتے ہیں کر گزرتے ہیں۔ ابھی گزشتہ دنوں اسمبلی ہال کے اندر عین اجلاس کے وقت صوبے کے نمائندوں کی موجودگی میں حکمراں پارٹی کے ایک معزز رکن کا ایک سرکاری افسر کے ہاتھوں جو حشر ہُوا وہ آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے۔ جب خود سرکار کے حامی ایک ایم پی اے کے ساتھ یہ ظلم و زیادتی ہو سکتی ہے تو غریب عوام کی حالتِ زار اور اُن سیاسی اور سماجی کارکنوں کی بے بسی کا خود اندازہ کیا جا سکتا ہے جو ہر معاملہ میں حکومت کی ہاں میں ہاں ملانے کے لیے اپنے آپ کو آمادہ نہیں پاتے۔ اُن پر جو کچھ بیت رہی ہے اُس کے اظہار سے قلم عاجز ہیں۔ پاکستان کے ایک معروف عالمِ دین نے صدر جیبن کی آمد کے موقع پر لڑکیوں کے رقص پر گرفت کی تو انہیں ایک گاؤں میں پابند کر دیا گیا۔ ملتان میں جشنِ بہار کے موقع پر کئی ایک علماء اور سماجی کارکنوں کے ساتھ یہی سلوک ہُوا۔ اس معاملے میں حکومت کے کارندے اتنے جری اور بے باک ہو گئے ہیں کہ وہ جن لوگوں کو چاہتے ہیں بلا تامل عدالتی کارروائیوں کا نوٹس دے

دیتے ہیں اور ان کی زد میں بسا اوقات ایسے متدین اور خاموش بزرگ بھی آ جاتے ہیں جنہوں نے زندگی بھر کبھی بھی کسی سیاسی معاملے میں دلچسپی نہیں لی، حتیٰ کہ کبھی کسی اخبار تک کو نہیں دیکھا جن کا کام صرف علمِ دین کی درس و تدریس اور خطبہ جمعہ تک محدود رہا ہے۔

نشر و اشاعت کے جتنے ذرائع ہیں اُن میں سے دو سب سے موثر ذریعے یعنی ریڈیو اور ٹیلیویژن براہِ راست حکومت کے قبضے میں ہیں اور وہ ہر وقت سرکاری طرزِ عمل کی تائید میں رطب اللسان اور اس کی کارکردگی کے ثنا خواں رہتے ہیں عوام کے سامنے بجز سرکاری نقطۂ نظر کے کوئی دوسرا نقطۂ نظر نہیں آتا۔ لے دے کے عوامی شعور و احساس کو بیدار کرنے والا ایک ذریعہ پریس رہ جاتا ہے۔ لیکن اس کا جو حال ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ ملک کے اکثر و بیشتر روزنامے یا تو پریس ٹرسٹ کی ملکیت میں ہیں یا براہ راست حکومت کی تحویل میں۔ ان بے چاروں کے لیے اپنے آقاؤں کو خوش کرنے کے علاوہ کوئی چارہ کار ہی نہیں۔ ایک آدھ اخبار کو چھوڑ کر یہ سارے کے سارے سرکاری پالیسیوں کی ترجمانی میں مصروف رہتے ہیں۔ اور وہ ایک آدھ اخبار جو کسی حد تک حکومت کے اثر سے آزاد ہے اُسے ہر طرح پریشان کیا جاتا ہے اور اس کی مختلف طریقوں سے حوصلہ شکنی کی جاتی ہے۔ پریس آرڈی نینس کی تلوار اس پر ہمیشہ معلق رہتی ہے جو کسی وقت بھی اُس پر وار کر کے اُس کا خاتمہ کر سکتی ہے۔
مشرقی پاکستان کے حالات میں اگرچہ اس حد تک شدت نہیں ہے، مگر آزاد فضا کا وہاں بھی فقدان ہے۔

ان روح فرسا حالات اور گھٹن کے اس ماحول میں اگر کوئی تحریک محض زندہ رہ جائے تو یہی غنیمت ہے۔ لیکن ہم اپنے منعمِ حقیقی کا صمیمِ قلب سے شکر ادا کرتے ہیں کہ اُس نے اس سنگین صورتِ حال میں بھی ہمارے قافلے کو رواں دواں رکھا اور رفقائے کار نے حکمت و دانائی سے اپنی کوشش کو جاری رکھ کر اجتماعی جدوجہد کی کمی کو اچھی خاصی حد تک پورا کیا۔ یہ سراسر اللہ تعالیٰ ہی کا فضل اور اس کی تائید ہے کہ ان حالات میں بھی سال گزشتہ کے دوران میں جماعت کو ڈیڑھ سو کے قریب نئے ارکان اور دس ہزار

تین سو آٹھ متفق علیہ آتے۔ تقریب قریب ۳۳۲ افراد نے جماعت کی رکنیت کے لیے درخواستیں دے رکھی ہیں اور اُن پر غور کیا جا رہا ہے۔ تعداد میں اضافے کی وجہ سے رفتارِ کار میں بھی کچھ نہ کچھ اضافہ ہوا ہے۔ جماعت نے مختلف مقامات پر ۵۴۰ نئے دارالمطالعے قائم کیے ہیں اور اس طرح اب دارالمطالعوں کی مجموعی تعداد ۱۱ تک جا پہنچی ہے۔ شفاخانوں اور سماجی بہبود کے مراکز کی کارکردگی بھی کافی حد تک اطمینان بخش ہے اور اس سال اُن کی تعداد ۳۲ سے بڑھ کر ۵۷ ہو گئی ہے۔

کسی تحریک کی حیثیت ایک جوئے رواں کی سی ہوتی ہے جس کے بہاؤ کو ناروا پابندیاں روک کر نہیں رکھ سکتیں۔ اگر تحریک کے کارکنوں میں اخلاص، اپنے مقصد کے حصول کا جذبۂ صادق، اور صبر و حکمت موجود ہو تو آگے بڑھنے کے راستے خود بخود نکلتے چلے آتے ہیں۔ تاریخ اس حقیقت کی شاہد ہے کہ دنیا کی کسی ایسی تحریک کا، جس کے علمبرداروں کو اپنے مقصد کا شعور اور نصب العین کے ساتھ عشق تھا، کوئی جبر و استبداد راستہ نہیں روک سکا ہے۔ وہ برابر آگے بڑھتی رہیں اور بالآخر اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئیں۔ قانونی پابندیاں تحریکات کو کبھی دبا نہیں سکتیں۔ وہ صرف اُن کے راستوں میں عارضی رکاوٹیں ہی ڈال سکتی ہیں۔ پھر یہ تو اُن تحریکات کا حال ہے جن کے کام کے میدان بڑے محدود اور جن کے دائرہ ہائے کار بڑے تنگ ہیں۔ دینی تحریکیں جو اپنی سرگرمیوں کے لاتعداد میدان رکھتی ہیں، جن کے فکر و عمل کا دائرہ قلب و دماغ کی اتھاہ گہرائیوں سے لے کر خارجی زندگی کے سارے گوشوں تک پھیلا ہوا ہے کوئی قانونی پابندی، کوئی جبر و استبداد اُن کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتا۔ وہ مسلسل سرگرمِ عمل رہتی ہیں اور اپنی توسیع و ترقی کے لیے نئے نئے راستے تلاش کرتی ہیں۔ جس طرح دلِ زندہ کبھی نہیں اجڑتا بلکہ ہمیشہ باغ و بہار رہتا ہے بالکل اسی طرح کوئی دینی تحریک، جس کے علمبرداروں میں خلوص و تدبّر ہو، کبھی نہیں مرتی۔ وہ ہمیشہ پھلتی پھولتی ہے۔ البتہ اس تحریک کے بہی خواہوں کو ہر وقت اس بات کی فکر کرنی چاہیے کہ مقصد کی لگن میں کسی طرح کمی نہ آنے پائے۔ کیونکہ یہی چیز اُس کے لیے پیامِ اجل ثابت ہوتی ہے۔

بے جا نہ ہوگا اگر اس موقع پر جہاں ہم اپنے رفقاء کی خدمت میں یہ معروضات پیش کر رہے ہیں وہاں اصحابِ اقتدار کی بارگاہ میں بھی اس افسوسناک صورتِ حال کے متعلق کچھ عرض کریں۔ ہم انہیں اس سلسلے میں یہی کہہ سکتے ہیں کہ براہِ کرم تاریخ سے سبق لیں۔ عقلمند آدمی وہی ہوتا ہے جو دیوار پر لکھی ہوئی نصیحت سے بھی فائدہ اٹھاتا ہے۔ صحیح حکمرانی لوگوں کی گردنوں پر نہیں بلکہ اُن کے دلوں پر کی جاتی ہے۔ قانون کا بازو خارجی زندگی کے بھی بمشکل ۵ فیصد حصّے تک پہنچتا ہے۔ ۹۵ فیصد حصّہ اس کی دسترس سے آزاد رہتا ہے۔ اور داخلی زندگی جو خارجی زندگی سے کہیں زیادہ وسیع اور عمیق ہوتی ہے اس پر تو قانون کا ذرّہ برابر بھی بس نہیں چلتا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ حیاتِ انسانی کے ایک نہایت ہی معمولی گوشے پر قبضہ کر کے اُس کی پوری زندگی پر قابض ہونے میں کامیاب ہو جائیں۔ تاریخ میں بڑے بڑے اصحابِ سطوت و جبروت پیدا ہوتے۔ وہ چند لوگوں کی گردنوں کو تو اپنے سامنے جھکا سکے مگر اُن کے دل کبھی بھی مسخر کرنے میں کامیاب نہ ہوئے۔ دلوں کی تسخیر کے لیے ہمیشہ ایک ہی اصول کارفرما رہا ہے کہ سب سے پہلے عوام کے دلوں میں اُتر کر اُن کے احساسات و جذبات کو سمجھنے کی کوشش کی جائے، پھر انہیں سامنے رکھ کر قومی تعمیر و ترقی کا کوئی جامع منصوبہ بنایا جائے، اور اس کے بعد انہیں اس بات کا پُورا پُورا موقع فراہم کیا جائے کہ وہ اس منصوبے اور اس کے نتائج کے بارے میں اپنے ردّ عمل کو برملا ظاہر کر سکیں۔ جن پروگراموں کو عوام کے قلب و دماغ قبول نہیں کرتے اور جن کے بارے میں وہ مختلف خدشات اپنے سینوں میں پالتے ہیں انہیں محض قوت و طاقت کے بل پر آگے بڑھانا کوئی تدبر نہیں۔ حکومت آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کے بے شمار وسائل آپ کے قبضے میں ہیں۔ نشر و اشاعت کے کم و بیش سارے ذرائع آپ کی تحویل میں ہیں۔ ان وسیع اختیارات کی موجودگی میں یہ کس طرح ممکن ہے کہ کوئی "سرپھرا" آپ کے بارے میں عوام کو گمراہ کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ عوام کسی حد تک جذباتی ہی سہی، لیکن اگر کوئی دوسرا ہر قسم کے وسائل سے محروم ہو کر بھی انہیں اپنے ساتھ لگا سکتا ہے تو آپ اتنے وسیع اختیارات اور اتنے زبردست وسائل رکھنے کے باوجود کیوں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ عوام جذباتی ہونے کی وجہ سے وقتی طور پر دھوکے میں آکر مشتعل ہو سکتے

ہیں۔ لیکن وہ پاگل اور دیوانے تو نہیں ہوتے کہ اپنی بھلائی اور بُرائی کے درمیان تمیز نہ کر سکیں۔ اگر حکومت ایک کام اُن کی بھلائی کے لیے کرتی ہو تو یہ ناممکن ہے کہ اس کی افادیت، حکومت کی پوری توضیح و تشریح کے باوجود اُن کے ذہن نشین نہ ہو سکے اور وہ محض چڑ اور ضد میں بہک کر حکومت کی مخالفت پر کمربستہ ہو جائیں

چند انسانوں کو کچھ وقت تک تو بیوقوف بنایا جا سکتا ہے لیکن پُوری قوم کو ایک لمبی مدت تک بیوقوف نہیں بنایا جا سکتا۔ اس بنا پر ملک و قوم اور خود اصحابِ اقتدار کی خیر خواہی اسی میں ہے کہ عوام کو اپنے گھٹے ہوئے احساسات اور دبے ہوئے جذبات کے اظہار کا موقع ملے اور حکومت اُن کی زبانیں بند کرنے اور اُن کی تحریروں پر قدغن لگانے کے بجائے اُن کی تکلیفات کو توجہ اور ہمدردی سے سنے اور پھر طاقت سے نہیں بلکہ دلسوزی اور جذبۂ ایثار کے ساتھ انہیں دُور کرے۔ تحریر و تقریر پر پابندیاں عائد کرنے سے بلاشبہ حکومت کے حسّاس کان ناخوشگوار باتیں سننے سے محفوظ رہیں گے، لیکن آخر جذبات کے اُن طوفانوں کا کیا بنے گا جو انسانی سینوں کے اندر تلاطم پیدا کریں گے۔ ان کو بہنے کے لیے اگر آئین کے راستے کھلے نہ ملیں گے تو بعید نہیں کہ کسی وقت وہ غیر آئینی راستوں پر نہ نکلیں۔ یہ چیز انسان کی فطرت میں داخل ہے کہ وہ دکھ اور تکلیف سے لاچار اور پریشان ہوتا ہے اور خوشی سے اُسے سکون اور آرام میسّر آتا ہے۔ جب عوام بعض ناقابلِ برداشت مصائب سے دوچار ہیں تو وہ لازمی طور پر آہ و فغان کریں گے۔ یا تو اُن کے مصائب اور پریشانیوں کو دُور کیجیے، اور اس طرح اُن کے کرب و اضطراب کو سکون اور آرام سے بدلنے کی کوشش کیجیے، یا جن لوگوں پر انہیں اعتماد اور بھروسہ ہے انہیں اس بات کا موقع دیجیے کہ وہ انہیں مطمئن کر سکیں۔ اور اگر آپ یہ بھی نہیں کرنا چاہتے تو ان کو کم از کم اس بات کا حق تو دیجیے کہ وہ اپنی تکالیف بیان کر سکیں اور اُن حالات کو آپ کے سامنے لا سکیں جو ان کے لیے وجہ شکایت ہیں۔ اس سے انہیں کم از کم یہ تسکین تو ہو گی کہ آپ ان کی تکلیفات سننے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔

آج پُوری دنیائے مشرق انسانوں کی بستی معلوم نہیں ہوتی بلکہ ایک ایسا آتش فشاں معلوم ہوتی ہے

جو ہر وقت زیر و زبر ہو رہا ہے اور جس میں پیہم انقلابات اور تبدیلیوں نے اسے جہنم آسا بنا دیا ہے۔ یہاں بھائی کا بھائی گلا کاٹ رہا ہے اور پوری زمین انسانی خون سے لالہ زار بنی ہوئی ہے۔ یہ ممالک کس افسوسناک صورتِ حال سے گزر رہے ہیں اور انسانی جان یہاں کتنی ارزاں ہے اس کا اندازہ اس ایک چیز سے لگایا جا سکتا ہے کہ ابھی حال ہی میں صرف انڈونیشیا کی حدود میں دس لاکھ جانیں ضائع ہوئی ہیں۔

کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس بدنصیب خطّے کے رہنے والے فطرتاً امن و چین کے دشمن اور خون خرابے کے چاہنے والے ہیں؟ انسان خواہ اس کا تعلق مشرق سے ہو یا مغرب سے طبعاً امن پسند اور عافیت کوش ہوتا ہے۔ لڑائی جھگڑے سے اسے فطری طور پر نفرت ہے اور وہ اگر کبھی یہ طرزِ عمل اختیار کرتا ہے تو یہ اس کی فطرت نہیں بلکہ فطرت سے بغاوت ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا مشرق میں امن پسند انسان کی فطرت مسخ ہو گئی ہے اور اس نے صلح اور آشتی کی راہ چھوڑ کر بغاوت اور قتل و غارت کا شیوہ اختیار کر لیا ہے؟ ہمیں مشرقی انسان کی فطرت میں قطعاً کوئی تبدیلی نظر نہیں آتی۔ وہ خیر اور بھلائی کا جویا اور امن و چین کا آرزومند ہے لیکن یہ ضرور چاہتا ہے کہ وہ اپنی خواہشات و تمناؤں کے مزار بنا کر اُن کے گرد سادھوؤں اور جوگیوں کی طرح دنیا اور اس کے معاملات سے یکسر بے تعلق ہو کر نہ بیٹھے بلکہ اپنی خواہش اور آرزو کے مطابق اپنی دنیا تعمیر کرے لیکن جب کچھ طاقتور اور چالاک افراد اور قومیں محض اقتدار کے نشے میں اندھے بہرے تشدد سے کام لے کر ان آرزوؤں کو پروان نہیں چڑھنے دیتے تو وہ پھر مضطرب ہو کر بھڑک اٹھتا ہے اور اپنے اس اضطراب کے اظہار کے لیے جب سارے راستے مسدود پاتا ہے تو غیر آئینی حرکات پر اتر آتا ہے۔ برسرِ اقتدار طبقے اس بے چارے کی اصل پریشانی اور اس کے حقیقی اسباب پر تو غور نہیں کرتے اور محض قوت سے اسے دباتے ہیں جس کے نتیجے میں خوفناک قسم کی کشمکش شروع ہو جاتی ہے۔ جہاں جہاں عوام کے احساسات و جذبات کو نظر انداز کر کے اُن پر اُن کی مرضی کے خلاف کوئی چیز ٹھونسی گئی یا اُن کے مسائل سے صرفِ نظر کرتے ہوئے انہیں صرف دلکش نعروں سے بہلانے پر اکتفا کیا گیا وہیں ان کے اندر تلخی پیدا ہونی شروع ہوئی۔ زندگی کے حقائق بڑے ٹھوس ہیں اور انہیں صرف خوش کن باتیں کر کے ہوا میں تحلیل نہیں کیا جا سکتا۔ مشرق کے حکمران جتنی جلدی اس حقیقت کو سمجھ

جائیں اتنا ہی یہ حاکم و محکوم دونوں کے حق میں بہتر اور مفید ہوگا۔

جماعت کے کام کی راہ میں خارجی موانع کے تذکرے کے بعد مجلس شوریٰ کی کارروائی میں جو دوسری اہم چیز سامنے آئی ہے وہ بیرونِ ملک میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے کام کی اشد ضرورت کا احساس اور جو کام پہلے سے ہو رہا ہے اُس کی تنظیم ہے۔

اس وقت مسلمانوں کی مجموعی آبادی کم سے کم اندازے کے مطابق باون کروڑ گیارہ لاکھ اور نہتر ہزار افراد پر مشتمل ہے جو دنیا کے مختلف حصّوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ مشرقِ وسطیٰ اور اُس کے متصل علاقوں اور جنوب مشرقی ایشیا کے علاوہ افریقہ کے متعدد حصے ایسے ہیں جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں۔ خصوصاً شمالی، وسطی اور مغربی افریقہ میں نو مسلمانوں کا تناسب بڑی غالب اکثریت ہے۔ بدقسمتی سے یہ ساری آبادیاں ایک مدّتِ دراز تک مغربی سامراجیت کا شکار رہیں جنہوں نے انہیں بڑی بے دردی کے ساتھ تاخت و تاراج کیا لیکن اب آزاد ہونے کے بعد جبکہ ان کے اندر حرکت و حرارت پیدا ہو رہی ہے تو انہوں نے اپنے اُس مذہب پر بھی غور کیا ہے جو اُن کی قوت کا واحد سرچشمہ ہے اور جس کی برکت سے وہ صدیوں کی غلامی کے باوجود اپنے قومی تشخص کو محفوظ رکھنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ دوسری طرف عیسائیوں نے بھی اس امر کو پوری طرح محسوس کیا ہے کہ ان ممالک کی آزادی کے بعد اگر اُن کے سامراجی عزائم کی تکمیل کی اب کوئی صورت ممکن ہے تو وہ یہی ہے کہ انہیں عیسائیت کے دام میں پھانس کر فکر و نظر کے اعتبار سے آزاد نہ ہونے دیا جائے۔ چنانچہ عیسائیوں کے بڑے بڑے مشن زبردست تیاریوں کے ساتھ اور لاتعداد وسائل جمع کر کے اب افریقہ کا رُخ کر رہے ہیں۔ جماعت اسلامی کی مجلسِ شوریٰ نے حالات کی اس سنگینی کے پیشِ نظر گزشتہ سال اس امر کا فیصلہ کیا کہ چوہدری غلام محمد صاحب افریقہ کا دورہ کر کے ساری صورتِ حال کا جائزہ لیں اور پھر ان سب ممالک میں تبلیغِ دین کا جو کام ہو رہا ہے اُس کے متعلق رپورٹ پیش کریں۔ چنانچہ چوہدری صاحب نے گذشتہ سال ہی مشرقی افریقہ کا دورہ کیا اور تقریباً ایک ماہ اس علاقے میں رہ کر مقامی باشندوں اور ایشیائی مسلمانوں سے مل کر وہاں کے حالات و کوائف جمع

گئے اور پھر کام کا ایک منصوبہ تیار کیا جس میں قرآن مجید کے سواحلی اور یوگنڈی ترجمہ کی اشاعت۔ انگریزی اور سواحلی میں اسلامی لٹریچر کی تیاری اور اشاعت، سواحلی زبان میں ایک ماہ نامے کا اجراء اور دارالعلوم کا قیام شامل ہے۔ اس سال مجلسِ شوریٰ نے اس منصوبے کے تحت جو کام ہو رہا ہے اس کا جائزہ لیا، تو اللہ تعالیٰ کی نوازش سے خاطر خواہ نتائج سامنے آئے ہیں۔ سواحلی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ مکمل ہو چکا ہے اس کے علاوہ رسالہ دینیات کا ترجمہ بھی طباعت کی منزل میں ہے۔

چوہدری صاحب نے افریقیہ کے بعد ترکی کا دورہ کیا اور اسلام کے احیاء کے لیے جو کوششیں وہاں ہو رہی ہیں اُن کا جائزہ لیا۔ اُنہوں نے اپنے تاثرات مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیے ہیں:

"ترکی میں اگرچہ تحریکِ اسلامی کو سخت نامساعد حالات کا سامنا ہے۔ امریکہ، برطانیہ اور روس اور مغربی ممالک کی سازشیں جاری ہیں۔ یہودیوں کے بین الاقوامی آلۂ کار ماسونی FREE MASON تحریک کا گڑھ ہے۔ لیکن گزشتہ پندرہ سولہ سال کی تاریخ اس بات کی شہادت دے رہی ہے کہ تحریکِ اسلامی خاصی گہری اور مضبوط جڑیں رکھتی ہے اور اگر ان کو اس وقت مدد پہنچ جائے تو انشاء اللہ یہ قوت پکڑ کر حالات کو بدل سکتی ہے۔ ان کی مدد صرف لٹریچر کی تیاری اور طباعت کے میدان میں درکار ہے۔ اگر ان لوگوں کو اپنا پریس بھی میسر آجائے تو غیر معمولی سہولت ہو سکتی ہے۔ علامہ بدیع الزمان سعید نورسی رحمہ اللہ کی کتابیں اب طبع ہو کر شائع ہو رہی ہیں۔ مگر یہ سارا لٹریچر مغربی تہذیب کے پیدا کردہ چیلنج کا جواب دینے سے قاصر ہے۔ اب کچھ کتابیں سید قطب شہیدؒ (اللہ تعالیٰ ان کی اور ان کے ساتھیوں کی قبروں کو نور سے بھر دے) کی ترجمہ ہو کر شائع ہوئی ہیں۔ مولانا مودودی صاحب کی چند فکر انگیز کتب اور رسائل مثلاً دینِ حق، اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے، کلمۂ شہادت، اسلام کا نظامِ حیات، اسلام کا اخلاقی نقطۂ نظر، انسان کا معاشی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل، سود، اور اسلام اور ضبطِ ولادت بھی ترکی میں شائع ہو چکی ہیں۔

دنیائے اسلام کو اس وقت جو متعدد مسائل درپیش ہیں اُن میں ایک اہم مسئلہ اُن مسلمانوں کے تہذیبی تحفظ کا مسئلہ ہے جو معاشی یا تعلیم یا کسی دوسری غرض کے لیے مغربی ممالک میں آباد ہیں۔ ان میں سے اگرچہ ایک تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے جنہیں اسلام کی ہر چیز سے بُعد اور مغرب کی ہر ادا پسند ہے۔ ایسے لوگ اگر مغربی سوسائٹی میں مدغم ہو جائیں تو یہ قطعاً کوئی غیر متوقع بات نہیں۔ لیکن وقتاً فوقتاً اخبارات یا خبر رساں ایجنسیوں سے ان مغربی ممالک کے مسلمان باشندوں کے جو تاثرات سامنے آتے رہتے ہیں۔ اُن سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ایک عظیم تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے جو اسلام اور اس کے شعائر سے کسی قیمت پر بھی دستبردار نہیں ہونا چاہتے اور وہ اپنی اولاد کو بھی اسلام کا حلقہ بگوش رکھنا چاہتے ہیں۔ پھر ایک اچھی خاصی تعداد ایسے نوجوانوں کی بھی ہے جو اگرچہ اسلام سے محبت رکھتے ہیں مگر کسی دینی تنظیم کے نہ ہونے کی وجہ سے آہستہ آہستہ مغربی سوسائٹی کی برائیوں کو قبول کرتے جا رہے ہیں اور اُن کے اندر "احساسِ زیاں" مرتا جا رہا ہے۔ جماعتِ اسلامی ان حالات کو ایک مدت سے نگاہِ تشویش دیکھتی رہی ہے اور مغربی ممالک خصوصاً انگلستان میں دعوت و تبلیغ کے مقدس کام کو شروع کرنے کی خواہشمند رہی ہے۔ چنانچہ امسال چوہدری صاحب اور پروفیسر خورشید صاحب نے اس سلسلہ میں ان ممالک کا دورہ کیا اور مختلف یونیورسٹیوں اور علمی اداروں میں مسلموں اور غیر مسلموں سے خطاب کیا اور وہاں کی اہم علمی شخصیتوں سے ملاقاتیں بھی کیں۔ پروفیسر خورشید صاحب اسی سلسلے میں مغربی جرمنی بھی تشریف لے گئے اور وہاں انہوں نے اسلام اور تحریکِ اسلامی کا تعارف کرایا۔ انگلستان کے مسلمانوں کو ایک مضبوط دینی تنظیم قائم کرنے اور پھر انہیں اس کے ساتھ وابستہ ہونے کی ضرورت کا احساس دلایا گیا۔ اسی مقصد کے لیے یو۔کے اسلامک مشن لندن کو اب نئے عزائم اور نئی امنگوں کے ساتھ منظم کیا جا رہا ہے تاکہ وہ ایک طرف تو دعوتِ دین کا کام کرے اور دوسری طرف وہاں کے مسلمان باشندوں کے دینی احساسات کو زندہ رکھنے کے لیے ہر میدان میں جدوجہد کرے۔

مجلسِ شوریٰ نے اپنے اس حالیہ اجلاس میں ملک کی تشویشناک اقتصادی صورتِ حال پر بھی سوچ بچار کیا ہے اور ایک قرارداد میں اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ ملک معاشی اعتبار سے اس وقت نہایت پریشان کن مسائل

سے دوچار ہے جنہیں اگر صحیح نہج پر حل کرنے کی کوشش نہ کی گئی تو صورتِ حال زیادہ تشویشناک ہو جائے گی۔
اربابِ اقتدار معاشی ترقی کے بڑے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں، اور پروپگنڈا کے ذریعہ عوام کو یہ باور کرانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ ملک معاشی میدان میں حیرت انگیز ترقی کر رہا ہے لیکن جب ہم اس نام نہاد ترقی کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ یہ محض اعداد و شمار کی فریب کاری ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اس ملک کے چند خاندان دیکھتے دیکھتے کروڑپتی نہیں بلکہ ارب پتی بن گئے ہیں۔ مگر ملک کی عظیم اکثریت بہت بُری طرح پس رہی ہے۔ اشیائے صرف کی قیمتوں میں غیر معمولی اضافہ ہُوا ہے اور ہوشربا گرانی نے عوام کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔

معاشی ترقی اور خوشحالی کوئی ایسی غیر مرئی حقیقت نہیں ہوتی جسے دیکھا اور محسوس نہ کیا جا سکتا ہو۔ ایک عام آدمی جو علمِ معیشت کی ابجد سے بھی واقف نہ ہو وہ بھی معاشی ترقی کا یہ مطلب سمجھتا ہے کہ عام باشندوں کو ضروریاتِ زندگی مہیا ہونے لگیں، یا بالفاظِ دیگر لوگوں کی ضرورت کی چیزیں فراوانی کے ساتھ ہر جگہ بازار میں موجود بھی ہوں اور لوگ ان کو خریدنے کے قابل بھی ہوں۔ لیکن ہمارے ہاں ترقی کا یہ عجیب انداز ہے کہ سرکاری اطلاعات کی رُو سے تو ملک زبردست معاشی ترقی کر رہا ہے، اور عام آدمی کا تجربہ و مشاہدہ یہ خبر دے رہا ہے کہ لوگ روز بروز زیادہ تنگ حال ہوتے جا رہے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جب ملک میں سرمایہ کاری (INVESTMENT) زیادہ ہوگی تو اس سے قیمتوں میں اضافہ ہونا ناگزیر ہے۔ چلیے ہم اس بات کو بھی وقتی طور پر تسلیم کر لیتے ہیں۔ لیکن سرمایہ کاری کا یہ اثر تو لازمی طور پر ہُوا کرتا ہے کہ ملک میں بیروزگاری کم ہونے لگتی ہے۔ ہمارے ہاں آخر وہ کیسی سرمایہ کاری ہو رہی ہے جس سے لوگوں کو روزگار ملنے کے بجائے اُلٹی بیروزگاری بڑھتی چلی جاتی ہے۔ آج کا نوجوان جس طرح بیروزگاری کے چنگل میں پھنسا ہُوا ہے اس کا اندازہ کچھ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہوں نے خود یہ مصیبت دیکھی ہو۔ وہ بے چارا تلاش روزگار کے لیے مختلف دفتروں کے چکر کاٹتا ہے اور در در کی ٹھوکریں کھاتا ہے لیکن اسے کام نہیں ملتا۔ عوام روٹی کے ایک ایک لقمے کے محتاج ہیں۔ ان کے پاس اپنے بچوں کے پیٹ بھرنے کے وسائل بھی نہیں۔

ایک طرف یہ صورتِ حال ہے اور دوسری طرف معاشی بدعنوانیاں ملک کے نظامِ حیات کا جزو بن گئی ہیں۔ رشوت کے بغیر کسی سرکاری محکمے سے لوگوں کا کوئی کام نہیں نکلتا۔ عوام کو اپنے جائز حقوق

ٹمک کے حصول کے لیے حکام کی مٹھی گرم کرنی پڑتی ہے۔ سُود کی لعنت پہلے سے کہیں زیادہ ہماری معیشت پر مسلّط ہے۔ اور اس وجہ سے ملکی دولت چند ہاتھوں میں مرتکز ہوتی چلی جا رہی ہے۔ یہ خرابیاں اتنی واضح اور اتنی لاتعداد ہیں کہ اس ملک کا ہر فرد ان کا نہ صرف اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہا ہے بلکہ ان سے اُسے خود ہر لمحہ سابقہ پڑتا ہے۔

ان حالات میں ہم اصحابِ اقتدار سے یہی گزارش کریں گے کہ ان تلخ حقائق کو محض اغیار کے طعنوں پر محمول کر کے نظر انداز نہ کریں اور اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں کہ صرف معاشی ترقی کا پراپیگنڈہ اور اسلامی سوشلزم کا نعرہ عوام کی تلخیوں کو دُور کر دیگا۔ زندگی بڑے ٹھوس حقائق پر مبنی ہے اور خوش کن اعداد و شمار کے چکر اور نعرہ بازیاں انہیں کافور نہیں کر سکتیں۔ پھر انہیں اس تلخ حقیقت سے بھی صرفِ نظر نہ کرنا چاہیے کہ دورِ جدید میں کسی معاشرے کے اندر معاشی بدحالی کا بڑھنا، اخلاقی حدود و قیود کا ٹوٹنا، اور امیری و غریبی کے درمیان فرق و امتیاز میں روز بروز اضافہ ہونا، یہ وہ علامات ہیں جو کسی بہت بڑے طوفان کا پتہ دیتی ہیں۔ ایسی ہی فضا اور ایسے ہی ماحول میں بعض ملحدانہ تخریبی تحریکات سرعت کے ساتھ پھلتی پھولتی اور برگ و بار لاتی ہیں۔ اس معاملے میں ایک لحظہ کے لیے بھی غفلت نہ کرنی چاہیے بلکہ اسلام کے معاشی اصولوں کو صدقِ دل کے ساتھ اپنا کر معاشرے کے اندر پھیلی ہوئی ان خرابیوں کا تدارک کرنا چاہیے۔ خدا نہ کرے کہ ہماری غفلت کی وجہ سے تخریب و الحاد کا سیلاب ہمیں برباد کر کے رکھ دے۔

مختلف مسلم و غیر مسلم ممالک میں آج اسلام اور اہلِ اسلام پر جو بیت رہی ہے مجلسِ شوریٰ نے اُس کا بھی جائزہ لیا ہے اور اس معاملے میں اپنے موقف کی نہایت واشگاف الفاظ میں وضاحت کی ہے۔ یوں تو شاید ہی دنیا کا کوئی ایسا ملک ہو جس میں اسلام اور اس کے نام لیواؤں کے لیے فضا سازگار ہو لیکن خاص طور پر مصر، اریٹریا، یمن، کشمیر اور برما میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ انتہائی افسوسناک اور قابلِ مذمت ہے۔

مصر میں اخوان المسلمون کا کرنل ناصر کے ہاتھوں جو حشر ہُوا ہے اور بے بس اخوانیوں پر ظلم و ستم کے جو

پہاڑ توڑے گئے ہیں وہ استبداد کی تاریخ کا ایک انتہائی سیاہ باب ہے۔ اسلام کے فدائیوں اور ملت کے بہی خواہوں کو بغیر کسی قصور کے تختۂ دار پر لٹکا دینا اور جیلوں میں بند کر کے انہیں نہایت خوفناک قسم کی سزائیں دینا انسانیت کے نام پر کلنک کا ٹیکہ ہے۔ مجلسِ شوریٰ نے اس صورتِ حال پر تشویش کا اظہار کیا ہے۔

اریٹریا کی مسلم آبادی پر حبشہ کے عیسائی حکمراں کے مظالم کی بھی مجلس نے مذمت کی ہے۔ اور اقوام متحدہ سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ کم از کم اپنی ان قراردادوں کا تو کچھ پاس کرے جو اس نے اس بدنصیب ملک کی قسمت کا فیصلہ کرتے وقت خود منظور کی تھیں۔ حبشہ کا عیسائی حکمراں ہیلا سلاسی اقوام متحدہ کے فیصلوں اور انسانی اور جمہوری تقاضوں کو یکسر نظر انداز کر کے محض طاقت کے بل پر نہ صرف اریٹریا کو حبشہ میں ضم کرنے کے درپے ہے بلکہ فرانس صومالیہ کو بھی ہڑپ کرنے کی فکر میں ہے۔

یمن میں مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمانوں کی خونریزی و خانہ بربادی پر بھی مجلس نے دلی رنج و قلق کا اظہار کیا ہے۔ درحقیقت یہ بات انتہائی افسوسناک ہے کہ ایک عرب ملک جو ابھی خود مغربی استعمار کے چنگل سے نکلا ہے، آج ایک استعماری طاقت بننے کی کوشش کر رہا ہے اور اس کی فوجیں اس کی اپنی سرزمین سے ڈیڑھ ہزار میل کے فاصلے پر یمن میں کشت و خون اور غارت گری کر رہی ہیں، جس کے لیے کوئی وجہ جواز پیش نہیں کی جا سکتی۔ اور یہ حرکت ایسی حالت میں کی جا رہی ہے جبکہ اسرائیل کا خطرہ مشرقِ وسطیٰ میں تمام عرب ملکوں کے سر پر منڈلا رہا ہے۔

برما میں فوجی آمریت اور سوشلزم کے مرکب نے مسلمانوں پر جو ظلم ڈھا رکھا ہے اس کی طرف بھی مجلسِ شوریٰ نے دنیا کی تمام مسلم حکومتوں اور قوموں کو توجہ دلائی ہے تاکہ وہ اس ظلم کو ختم کرانے کے لیے اپنا اخلاقی اثر استعمال کریں۔

کشمیر کے معاملہ میں ہندوستان اور بین الاقوامی طاقتوں کے طرزِ عمل کا جائزہ لیتے ہوئے مجلسِ شوریٰ نے حکومتِ پاکستان کو مشورہ دیا ہے کہ اولاً، اعلان تاشقند کی ناکامی کا اعلان کر کے سلامتی کونسل سے مطالبہ کرے کہ جن شرائط پر ستمبر ۱۹۶۵ء میں جنگ بند کرائی گئی تھی ان کو اب پورا کیا جائے۔ ثانیاً وہ پُرامن طریقوں سے مسئلہ کشمیر کے حل کی کوششوں کے لیے کوئی حد مقرر کرے، اور ثالثاً وہ اس مسئلے کو آخری اور

(باقی ص ۳۲ پر)

تفہیم القرآن

النجم

(۲)

اللہ کے نام سے جو رحمٰن اور رحیم ہے

قسم ہے تارے کی[1] جبکہ وہ غروب ہؤا، تمہارا رفیق[2] نہ بھٹکا ہے[3] نہ بہکا ہے[4]۔ وہ اپنی

---

[1] اصل میں لفظ "النجم" استعمال ہؤا ہے۔ ابن عباس، مجاہد اور سُفیان ثوری کہتے ہیں کہ اس سے مراد ثُریّا (PLEIADES) ہے۔ ابن جریر اور زمخشری نے اسی قول کو ترجیح دی ہے، کیونکہ عربی زبان میں جب مطلقاً النجم کا لفظ بولا جاتا ہے تو عموماً اس سے ثریّا ہی مُراد لیا جاتا ہے۔ سُدّی کہتے ہیں کہ اس سے مراد زُہرہ (VENUS) ہے۔ اور ابو عُبیدہ نحوی کا قول ہے کہ یہاں النجم بول کر جنسِ نجوم مُراد لی گئی ہے، یعنی مطلب یہ ہے کہ جب صبح ہوئی اور سب تارے غروب ہو گئے۔ موقع ومحل کے لحاظ سے ہمارے نزدیک یہ آخری قول زیادہ قابلِ ترجیح ہے۔

[2] مراد ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مخاطب ہیں قریش کے لوگ۔ اصل الفاظ استعمال کیے گئے ہیں صاحِبُکُمْ (تمہارا صاحب)، صاحب عربی زبان میں دوست، رفیق، ساتھی، پاس رہنے والے اور ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے کو کہتے ہیں۔ اس مقام پر آپ کا نام لینے یا "ہمارا رسول" کہنے کے بجائے "تمہارا صاحب" کہہ کر آپ کا ذکر کرنے میں بڑی گہری معنویت ہے۔ اس سے قریش کے لوگوں کو یہ احساس دلانا مقصود ہے کہ جس شخص کا تم سے ذکر کیا جا رہا ہے وہ تمہارے ہاں باہر سے آیا ہؤا کوئی اجنبی آدمی نہیں ہے کہ اس سے تمہاری پہلے کی کوئی جان پہچان نہ ہو۔ تمہاری اپنی قوم کا آدمی ہے۔ تمہارے ساتھ ہی رہتا بستا ہے، تمہارا بچہ بچہ جانتا ہے کہ وہ کون ہے، کیا ہے، کس سیرت وکردار کا انسان ہے، کیسے اس کے معاملات ہیں، کیسی اس کی عادات وخصائل ہیں، اور آج تک تمہارے درمیان اس کی زندگی کیسی رہی ہے۔

خواہشِ نفس سے نہیں بولتا، یہ تو ایک وحی ہے جو اُس پر نازل کی جاتی ہے۔[۴]

اُس کے بارے میں مُنہ پھاڑ کر کوئی کچھ کہہ دے تو تمہارے اندر ہزاروں آدمی اُس کے جاننے والے موجود ہیں جو خود دیکھ سکتے ہیں کہ یہ بات اس شخص پر چسپاں ہوتی بھی ہے یا نہیں۔

۳؎ یہ ہے وہ اصل بات جس پر غروب ہونے والے تارے یا تاروں کی قسم کھائی گئی ہے۔ بھٹکنے سے مراد ہے کسی شخص کا راستہ نہ جاننے کی وجہ سے کسی غلط راستے پر چل پڑنا اور بہکنے سے مراد ہے کسی شخص کا جان بوجھ کر غلط راستہ اختیار کر لینا۔ ارشادِ الٰہی کا مطلب یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، جو تمہارے جانے پہچانے آدمی ہیں اُن کے متعلق تم لوگوں کا یہ الزام بالکل غلط ہے کہ وہ گمراہ یا بدراہ ہوگئے ہیں۔ درحقیقت وہ نہ بھٹکے ہیں نہ بہکے ہیں۔ اِس بات پر تاروں کے غروب ہونے کی قسم جس مناسبت سے کھائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ رات کی تاریکی میں جب تارے نکلے ہوتے ہوں، ایک شخص اپنے گرد و پیش کی اشیاء کو صاف نہیں دیکھ سکتا اور مختلف اشیاء کی دھندلی شکلیں دیکھ کر ان کے بارے میں غلط اندازے کر سکتا ہے۔ مثلاً اندھیرے میں دُور سے کسی درخت کو دیکھ کر اسے بھوت سمجھ سکتا ہے۔ کوئی رسّی پڑی دیکھ کر اسے سانپ سمجھ سکتا ہے۔ ریت سے کوئی چٹان ابھری دیکھ کر یہ خیال کر سکتا ہے کہ کوئی درندہ بیٹھا ہے۔ لیکن جب تارے ڈوب جائیں اور صبحِ روشن نمودار ہو جائے تو ہر چیز اپنی اصلی شکل میں آدمی کے سامنے آ جاتی ہے۔ اُس وقت کسی چیز کی اصلیت کے بارے میں کوئی اشتباہ پیش نہیں آتا۔ ایسا ہی معاملہ تمہارے ہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ہے کہ ان کی زندگی اور شخصیت تاریکی میں چھپی ہوئی نہیں ہے بلکہ صبحِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ تم جانتے ہو کہ تمہارا یہ "صاحب" ایک نہایت سلیم الطبع اور دانا و فرزانہ آدمی ہے، اس کے بارے میں قریش کے کسی شخص کو یہ غلط فہمی کیسے لاحق ہو سکتی ہے کہ وہ گمراہ ہو گیا ہے۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ وہ کمال درجہ کا نیک نیت اور راستباز انسان ہے، اُس کے متعلق تم میں سے کوئی شخص کیسے یہ رائے قائم کر سکتا ہے کہ وہ جان بوجھ کر نہ صرف خود ٹیڑھی راہ اختیار کر بیٹھا ہے بلکہ دوسروں کو بھی اُسی ٹیڑھے راستے کی طرف دعوت دینے کے لیے کھڑا ہو گیا ہے۔

۴؎ مطلب یہ ہے کہ جن باتوں کی وجہ سے تم اُس پر یہ الزام لگاتے ہو کہ وہ گمراہ یا بدراہ ہو گیا ہے، وہ اس نے اپنے دل سے نہیں گھڑلی ہیں، نہ اُن کی محرک اُس کی اپنی خواہشِ نفس ہے، بلکہ وہ خدا کی طرف سے اس پر وحی کے ذریعہ

سے نازل کی گئی ہیں اور کی جا رہی ہیں۔ اُس کا خود نبی بننے کو جی نہیں چاہا تھا کہ اپنی یہ خواہش پوری کرنے کے لیے اُس نے دعوائے نبوت کر دیا ہو، بلکہ خدا نے جب وحی کے ذریعہ سے اس کو اِس منصب پر مامور کیا تب وہ تمہارے درمیان تبلیغِ رسالت کے لیے اٹھا اور اس نے تم سے کہا کہ میں تمہارے لیے خدا کا نبی ہوں۔ اسی طرح اسلام کی یہ دعوت، توحید کی یہ تعلیم، آخرت اور حشر و نشر اور جزائے اعمال کی یہ خبریں، کائنات و انسان کے متعلق یہ حقائق، اور پاکیزہ زندگی بسر کرنے کے یہ اصول جو وہ پیش کر رہا ہے، یہ سب کچھ بھی اُس کا اپنا بنایا ہوا کوئی فلسفہ نہیں ہے بلکہ خدا نے وحی کے ذریعہ سے اُس کو اِن باتوں کا علم عطا کیا ہے۔ اسی طرح یہ قرآن جو وہ تمہیں سناتا ہے، یہ بھی اُس کا اپنا تصنیف کردہ نہیں ہے، بلکہ یہ خدا کا کلام ہے جو وحی کے ذریعہ سے اُس پر نازل ہوتا ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ "آپ اپنی خواہشِ نفس سے نہیں بولتے بلکہ جو کچھ آپ کہتے ہیں وہ ایک وحی ہے جو آپ پر نازل کی جاتی ہے" آپ کی زبانِ مبارک سے نکلنے والی کن کن باتوں سے متعلق ہے؟ آیا اس کا اطلاق اُن ساری باتوں پر ہوتا ہے جو آپ بولتے تھے، یا بعض باتوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور بعض باتوں پر نہیں ہوتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں تک قرآن مجید کا تعلق ہے، اُس پر تو اِس ارشاد کا اطلاق بدرجۂ اولیٰ ہوتا ہے۔ رہیں وہ دوسری باتیں جو قرآن کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے ادا ہوتی تھیں، تو وہ لامحالہ تین ہی قسموں کی ہو سکتی تھیں:

ایک قسم کی باتیں وہ جو آپ تبلیغِ دین اور دعوت الی اللہ کے لیے کرتے تھے، یا قرآن مجید کے مضامین، اس کی تعلیمات اور اس کے احکام و ہدایات کی تشریح کے طور پر کرتے تھے، یا قرآن ہی کے مقصد و مدعا کو پورا کرنے کے لیے وعظ و نصیحت فرماتے اور لوگوں کو دین کی تعلیم دیتے تھے۔ اِن کے متعلق ظاہر ہے کہ یہ شبہ کرنے کی سرے سے کوئی گنجائش نہیں ہے کہ یہ باتیں معاذ اللہ، آپ اپنے دل سے گھڑتے تھے۔ اِن امور میں تو آپ کی حیثیت درحقیقت قرآن کے سرکاری ترجمان، اور اللہ تعالیٰ کے نمائندۂ مجاز کی تھی۔ یہ باتیں اگرچہ اُس طرح لفظاً لفظاً آپ پر نازل نہیں کی جاتی تھیں جس طرح قرآن آپ پر نازل کیا جاتا تھا، مگر یہ لازماً تھیں اُسی علم پر مبنی جو وحی کے ذریعہ سے آپ کو دیا گیا تھا۔ ان میں اور قرآن میں فرق صرف یہ تھا کہ قرآن کے الفاظ اور معانی سب کچھ اللہ کی طرف سے تھے۔ اور ان دوسری باتوں میں معانی و مطالب وہ تھے جو اللہ نے آپ کو سکھائے تھے اور اُن کو

ادا آپ اپنے الفاظ میں کرتے تھے۔ اِسی فرق کی بنا پر قرآن کو وحیِ جلی، اور آپ کے اِن دوسرے ارشادات کو وحیِ خفی کہا جاتا ہے۔

دوسری قسم کی باتیں وہ تھیں جو آپ اعلاءِ کلمۃ اللہ کی جدوجہد اور اقامتِ دین کی خدمات کے سلسلے میں کرتے تھے۔ اِس کام میں آپ کو مسلمانوں کی جماعت کے قائد و رہنما کی حیثیت سے مختلف نوعیت کے بے شمار فرائض انجام دینے ہوتے تھے جن میں بسا اوقات آپ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ بھی لیا ہے، اپنی رائے چھوڑ کر اُن کی رائے بھی مانی ہے، اُن کے دریافت کرنے پر کبھی کبھی یہ صراحت بھی فرمائی ہے کہ یہ بات میں خدا کے حکم سے نہیں بلکہ اپنی رائے کے طور پر کہہ رہا ہوں، اور متعدد بار ایسا بھی ہوا ہے کہ آپؐ نے اپنے اجتہاد سے کوئی بات کی ہے اور بعد میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کے خلاف ہدایت آگئی ہے۔ اِس نوعیت کی جتنی باتیں بھی آپؐ نے کی ہیں ان میں سے بھی کوئی ایسی نہ تھی اور قطعاً نہ ہوسکتی تھی جو خواہشِ نفس پر مبنی ہو۔ رہا یہ سوال کہ کیا وہ وحی پر مبنی تھیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بجز اُن باتوں کے جن میں آپؐ نے خود تصریح فرمائی ہے کہ یہ اللہ کے حکم سے نہیں ہیں، یا جن میں آپؐ نے صحابہؓ سے مشورہ طلب فرمایا ہے اور ان کی رائے قبول فرمائی ہے، یا جن میں آپؐ سے کوئی قول و فعل صادر ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف ہدایت نازل فرمادی ہے، باقی تمام باتیں اُسی طرح وحیِ خفی پر مبنی تھیں جس طرح پہلی نوعیت کی باتیں۔ اس لیے کہ دعوتِ اسلامی کے قائد و رہنما اور جماعتِ مومنین کے سردار اور حکومتِ اسلامی کے فرمانروا کا جو منصب آپؐ کو حاصل تھا وہ آپ کا خود ساختہ یا لوگوں کا عطا کردہ نہ تھا بلکہ اُس پر آپؐ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہوتے تھے، اور اس منصب کے فرائض کی ادائیگی میں آپؐ جو کچھ کہتے اور کرتے تھے اس میں آپؐ کی حیثیت مرضیٔ الٰہی کے نمائندے کی تھی۔ اِس معاملے میں آپؐ نے جو باتیں اپنے اجتہاد سے کی ہیں ان میں بھی آپؐ کا اجتہاد اللہ کو پسند تھا اور علم کی اُس روشنی سے ماخوذ تھا جو اللہ نے آپؐ کو دی تھی۔ اسی لیے جہاں آپؐ کا اجتہاد ذرا بھی اللہ کی پسند سے ہٹا ہے وہاں فوراً وحیِ جلی سے اس کی اصلاح کر دی گئی ہے۔ آپؐ کے بعض اجتہادات کی یہ اصلاح بجائے خود اس بات کی دلیل ہے کہ آپؐ کے باقی تمام اجتہادات عین مرضیٔ الٰہی کے مطابق تھے۔

تیسری قسم کی باتیں وہ تھیں جو آپؐ ایک انسان ہونے کی حیثیت سے زندگی کے عام معاملات میں کرتے تھے

اُسے زبردست قوت والے نے تعلیم دی ہے۵ جو بڑا صاحبِ حکمت ہے۶۔ وہ سامنے آکھڑا

جن کا تعلق فرائضِ نبوت سے نہ تھا، جو آپ نبی ہونے سے پہلے بھی کرتے تھے اور نبی ہونے کے بعد بھی کرتے رہے۔ اِس نوعیت کی باتوں کے متعلق سب سے پہلے تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ان کے بارے میں کفار سے کوئی جھگڑا نہ تھا۔ کفار نے اُن کی بنا پر آپ کو گمراہ اور بدراہ نہیں کہا تھا بلکہ پہلی دو قسم کی باتوں پر وہ یہ الزام لگاتے تھے۔ اس لیے وہ سرے سے زیرِبحث ہی نہ تھیں کہ اللہ تعالیٰ اُن کے بارے میں یہ آیت ارشاد فرماتا۔ لیکن اس مقام پر اُن کے خارج از بحث ہونے کے باوجود یہ امر واقعہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے کوئی بات اپنی زندگی کے اِس نجی پہلو میں بھی کبھی خلافِ حق نہیں نکلتی تھی، بلکہ ہر وقت ہر حال میں آپ کے اقوال و افعال اُن حدود کے اندر محدود رہتے تھے جو اللہ تعالیٰ نے ایک پیغمبرانہ اور متقیانہ زندگی کے لیے آپ کو بتا دی تھیں۔ اس لیے درحقیقت وحی کا نور اُن میں بھی کارفرما تھا۔ یہی بات ہے جو بعض صحیح احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہوئی ہے۔ مُسند احمد میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ ایک موقع پر حضورؐ نے فرمایا لا اقول الا حقاً، "میں کبھی حق کے سوا کوئی بات نہیں کہتا"۔ کسی صحابی نے عرض کیا فانک تداعبنا یا رسول اللہ، "یا رسول اللہ، کبھی کبھی آپ ہم لوگوں سے ہنسی مذاق بھی تو کر لیتے ہیں۔" فرمایا اِنّی لَا اقولُ الاّ حقاً، "فی الواقع میں حق کے سوا کچھ نہیں کہتا"۔ مُسند احمد اور ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن عاص کی روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں جو کچھ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سنتا تھا وہ لکھ لیا کرتا تھا تاکہ اسے محفوظ کر لوں۔ قریش کے لوگوں نے مجھے اس سے منع کیا اور کہنے لگے تم ہر بات لکھتے چلے جاتے ہو، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسان ہیں، کبھی غصے میں بھی کوئی بات فرما دیتے ہیں۔ اِس پر میں نے لکھنا چھوڑ دیا۔ بعد میں اِس بات کا ذکر میں نے حضورؐ سے کیا تو آپؐ نے فرمایا: اکتب فوالذی نفسی بیدہٖ ما خرج منی الا الحق، "تم لکھے جاؤ، اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میری زبان سے کبھی کوئی بات حق کے سوا نہیں نکلی ہے۔" (اس مسئلے پر مفصل بحث کے لیے ملاحظہ ہو میری کتاب تفہیمات حصہ اوّل، مضمون "رسالت اور اس کے احکام")۔

۵ یعنی کوئی انسان اُس کو سکھانے والا نہیں ہے، جیسا کہ تم گمان کرتے ہو، بلکہ یہ علم اُس کو ایک فوق البشر

ذریعہ سے حاصل ہو رہا ہے "زبردست قوت والے" سے مراد بعض لوگوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، لیکن مفسرین کی عظیم اکثریت اس پر متفق ہے کہ اس سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، قتادہ، مجاہد، اور ربیع بن انس سے یہی قول منقول ہے۔ ابن جریر، ابن کثیر رازی اور آلوسی وغیرہ حضرات نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب اور مولانا اشرف علی صاحب نے بھی اپنے ترجموں میں اسی کی پیروی کی ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ خود قرآن مجید کی دوسری تصریحات سے بھی یہی ثابت ہے۔ سورۂ تکویر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّهٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ كَرِيۡمٍ ، ذِىۡ قُوَّةٍ عِنۡدَ ذِى الۡعَرۡشِ مَكِيۡنٍ ، مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيۡنٍ ، وَمَا صَاحِبُكُمۡ بِمَجۡنُوۡنٍ ، وَلَقَدۡ رَاٰهُ بِالۡاُفُقِ الۡمُبِيۡنِ (آیات ۱۹-۲۳)۔ "درحقیقت یہ ایک بزرگ فرشتے کا بیان ہے جو زبردست قوت والا ہے، مالکِ عرش کے ہاں بڑا درجہ رکھتا ہے، اس کا حکم مانا جاتا ہے اور وہاں وہ معتبر ہے۔ تمہارا رفیق کچھ دیوانہ نہیں ہے، وہ اس فرشتے کو آسمان کے کھلے کنارے پر دیکھ چکا ہے"۔ پھر سورۂ بقرہ کی آیت ۹۷ میں اس فرشتے کا نام بھی بیان کر دیا گیا ہے جس کے ذریعہ سے یہ تعلیم حضورؐ کے قلب پر نازل کی گئی تھی: قُلۡ مَنۡ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبۡرِيۡلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلۡبِكَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ۔ ان تمام آیات کو اگر سورۂ نجم کی اس آیت کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو اس امر میں کسی شک کی گنجائش نہیں رہتی کہ یہاں زبردست قوت والے معلم سے مراد جبریل امین ہی ہیں نہ کہ اللہ تعالیٰ۔ اس مسئلے پر مفصل بحث آگے آرہی ہے۔

اس مقام پر بعض حضرات یہ شبہ ظاہر کرتے ہیں کہ جبریل امین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معلم کیسے قرار دیا جا سکتا ہے، اس کے معنی تو یہ ہوں گے کہ وہ استاد ہیں اور حضورؐ شاگرد۔ اور اس سے حضورؐ پر جبریل کی فضیلت لازم آئے گی۔ لیکن یہ شبہ اس لیے غلط ہے کہ جبریل اپنے کسی ذاتی علم سے حضورؐ کو تعلیم نہیں دیتے تھے جس سے آپؐ پر ان کی فضیلت لازم آئے، بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے آپؐ تک علم پہنچانے کا ذریعہ بنایا تھا اور وہ محض واسطۂ تعلیم ہونے کی حیثیت سے مجازاً آپؐ کے معلم تھے۔ اس سے ان کی افضلیت کا کوئی پہلو نہیں نکلتا۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے پانچ وقت کی نمازیں فرض ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے صحیح اوقات بتانے کے لیے جبریل علیہ السلام کو آپؐ کے پاس بھیجا اور انہوں نے دو روز تک پانچوں وقت کی نمازیں

ہُوا جبکہ وہ بالائی اُفق پر تھا، پھر قریب آیا اور اوپر معلق ہو گیا، یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے کچھ کم فاصلہ رہ گیا۔[۹] تب اُس نے اللہ کے بندے کو وحی پہنچائی جو وحی بھی اُسے پہنچانی تھی۔[۱۰] نظر نے

آپ کو پڑھائیں۔ یہ قصہ بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور مؤطا وغیرہ کتب حدیث میں صحیح سندوں کے ساتھ بیان ہُوا ہے اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ مقتدی تھے اور جبریل نے امام بن کر آپ کو نماز پڑھائی تھی۔ لیکن اس طرح محض تعلیم کی غرض سے ان کا امام بنایا جانا یہ معنی نہیں رکھتا کہ وہ آپ سے افضل تھے۔

[۶] اصل میں لفظ ذُوْمِرَّۃٍ استعمال فرمایا گیا ہے۔ ابن عباس اور قتادہ اس کو خوبصورت اور شاندار کے معنی میں لیتے ہیں۔ مجاہد، حسن بصری، ابن زید اور سفیان ثوری کہتے ہیں کہ اس کے معنی طاقتور کے ہیں۔ سعید بن مسیّب کے نزدیک اس سے مراد صاحبِ حکمت ہے۔ حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لا تحل الصدقۃ لغنی ولا لذی مِرَّۃٍ سَوِیٍّ۔ اس ارشاد میں ذو مرہ کو آپ نے تندرست اور صحیح القویٰ کے معنی میں استعمال فرمایا ہے۔ عربی محاورے میں یہ لفظ نہایت صائب الرائے اور عاقل و دانا کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں جبریل علیہ السلام کے لیے یہ جامع لفظ اسی لیے منتخب فرمایا ہے کہ ان میں عقلی اور جسمانی، دونوں طرح کی قوتوں کا کمال پایا جاتا ہے۔ اردو زبان میں کوئی لفظ ان تمام معنوں کا جامع نہیں ہے، اس وجہ سے ہم نے ترجمے میں اس کے صرف ایک معنی کو اختیار کیا ہے، کیونکہ جسمانی قوتوں کے کمال کا ذکر اس سے پہلے کے فقرے میں آچکا ہے۔

[۷] اُفق سے مراد ہے آسمان کا وہ مشرقی کنارا جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے اور دن کی روشنی پھیلتی ہے۔ اسی کو سورۂ تکویر کی آیت ۲۳ میں اُفقِ مُبین کہا گیا ہے۔ دونوں آیتیں صراحت کرتی ہیں کہ پہلی مرتبہ جبریل علیہ السلام جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر آئے اُس وقت وہ آسمان کے مشرقی کنارے سے نمودار ہوئے تھے۔ اور متعدد معتبر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت وہ اپنی اصلی صورت میں تھے جس میں اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے۔ آگے چل کر ہم وہ تمام روایات نقل کریں گے جن میں یہ بات بیان کی گئی ہے۔

[۸] یعنی آسمان کے بالائی مشرقی کنارے سے نمودار ہونے کے بعد جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آگے بڑھنا شروع کیا یہاں تک کہ بڑھتے بڑھتے وہ آپ کے اوپر آکر فضا میں معلق ہو گئے پھر وہ آپ کی طرف جھکے اور اس قدر قریب ہو گئے کہ آپ کے اور ان کے درمیان صرف دو کمانوں کے برابر یا کچھ کم فاصلہ رہ گیا۔ عام طور پر مفسرین نے قَابَ قَوْسَیْنِ کے معنی بقدر دو قوس ہی بیان کیے ہیں۔ لیکن حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن مسعود نے قوس کو ذراع (ہاتھ) کے معنی میں لیا ہے اور کَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ کا مطلب وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ دونوں کے درمیان صرف دو ہاتھ کا فاصلہ رہ گیا تھا۔

اور یہ جو فرمایا کہ فاصلہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے کچھ کم تھا، تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ معاذاللہ فاصلے کی مقدار کے تعین میں اللہ تعالیٰ کو کوئی شک لاحق ہو گیا ہے۔ دراصل یہ طرزِ بیان اس لیے اختیار کیا گیا کہ تمام کمانیں لازماً ایک ہی ناپ کی نہیں ہوتیں اور ان کے حساب سے کسی فاصلے کو جب بیان کیا جائے گا تو مقدارِ فاصلہ میں ضرور کمی بیشی ہوگی۔

۹ اصل الفاظ ہیں فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی۔ اس فقرے کے دو ترجمے ممکن ہیں۔ ایک یہ کہ "اس نے وحی کی اس کے بندے پر جو کچھ بھی وحی کی"۔ اور دوسرا یہ کہ "اس نے وحی کی اپنے بندے پر جو کچھ بھی وحی کی"۔ پہلا ترجمہ کیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ جبریلؑ نے وحی کی اللہ کے بندے پر جو کچھ بھی اس کو وحی کرنی تھی۔ اور دوسرا ترجمہ کیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ نے وحی کی جبریل کے واسطہ سے اپنے بندے پر جو کچھ بھی اس کو وحی کرنی تھی۔ مفسرین نے یہ دونوں معنی بیان کیے ہیں۔ مگر سیاق و سباق کے ساتھ زیادہ مناسبت پہلا مفہوم ہی رکھتا ہے اور وہی حضرت حسن بصری اور ابن زید سے منقول ہے۔ اس پر یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ عبدہٖ کی ضمیر اوحیٰ کے فاعل کی طرف پھرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف کیسے پھر سکتی ہے جبکہ آغازِ سورۃ سے یہاں تک اللہ کا نام سرے سے آیا ہی نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں ضمیر کا مرجع کسی خاص شخص کی طرف سیاقِ کلام سے صاف ظاہر ہو رہا ہو وہاں ضمیر آپ سے آپ اسی کی طرف پھرتی ہے خواہ اس کا ذکر پہلے نہ آیا ہو۔ اس کی متعدد نظیریں خود قرآن مجید میں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ "ہم نے اس کو شب قدر میں نازل کیا ہے"۔ یہاں قرآن کا سرے سے کہیں ذکر نہیں آیا ہے۔ مگر سیاقِ کلام خود بتا رہا ہے کہ ضمیر کا مرجع قرآن ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہوا ہے وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ

جو کچھ دیکھا، دل نے اُس میں جھوٹ نہ ملایا ۱۰۔ اب کیا تم اُس چیز پر اُس سے جھگڑتے ہو جسے وہ آنکھوں

بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ "اگر اللہ لوگوں کو ان کے کرتوتوں پر پکڑنے لگے تو اُس کی پیٹھ پر کسی جاندار کو نہ چھوڑے"۔ یہاں آگے پیچھے زمین کا ذکر کہیں نہیں آیا ہے۔ مگر سیاقِ کلام سے خود ظاہر ہوتا ہے کہ "اُس کی پیٹھ" سے مراد زمین کی پیٹھ ہے۔ سورۂ یٰسٓ میں فرمایا گیا ہے وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِىْ لَهٗ "ہم نے اُسے شعر کی تعلیم نہیں دی ہے اور نہ شاعری اُس کو زیب دیتی ہے"۔ یہاں پہلے یا بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ذکر نہیں آیا ہے۔ مگر سیاقِ کلام بتا رہا ہے کہ ضمیروں کے مرجع آپ ہی ہیں۔ اِسی طرح چونکہ اَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ کا یہ مطلب بہر حال نہیں ہو سکتا کہ جبریلؑ نے اپنے بندے پر وحی کی، اس لیے لازماً اس کے معنی یہی لیے جائیں گے کہ جبریل نے اللہ کے بندے پر وحی کی۔

۱۰؎ یعنی یہ مشاہدہ جو دن کی روشنی میں اور پوری بیداری کی حالت میں کھلی آنکھوں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا، اس پر اُن کے دل نے یہ نہیں کہا کہ یہ نظر کا دھوکا ہے، یا یہ کوئی جن یا شیطان ہے جو مجھے نظر آ رہا ہے یا میرے سامنے کوئی خیالی صورت آگئی ہے اور میں جاگتے میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔ بلکہ اُن کے دل نے ٹھیک وہی کچھ سمجھا جو اُن کی آنکھیں دیکھ رہی تھیں۔ انہیں اس امر میں کوئی شک لاحق نہیں ہوا کہ فی الواقع یہ جبریلؑ ہیں اور جو پیغام یہ پہنچا رہے ہیں وہ واقعی خدا کی طرف سے وحی ہے۔

اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کیا بات ہے جس کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے عجیب اور غیر معمولی مشاہدے کے بارے میں قطعاً کوئی شک لاحق نہ ہوا اور آپ نے پورے یقین کے ساتھ جان لیا کہ آپ کی آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی ہیں وہ واقعی حقیقت ہے، کوئی خیالی ہیولیٰ نہیں ہے اور کوئی جن یا شیطان بھی نہیں ہے؟ اس سوال پر جب ہم غور کرتے ہیں تو اس کے پانچ وجوہ ہماری سمجھ میں آتے ہیں:

ایک یہ کہ وہ خارجی حالات جن میں یہ مشاہدہ ہوا تھا، اس کی صحت کا یقین دلانے والے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مشاہدہ اندھیرے میں، یا مراقبے کی حالت میں، یا خواب میں، یا نیم بیداری کی حالت میں نہیں ہوا تھا، بلکہ صبح روشن طلوع ہو چکی تھی، آپ پوری طرح بیدار تھے، کھلی فضا میں اور دن کی پوری روشنی میں اپنی آنکھوں سے یہ منظر ٹھیک اسی طرح دیکھ رہے تھے جس طرح کوئی شخص دنیا کے دوسرے مناظر دیکھتا ہے۔

اس میں اگر شک کی گنجائش ہو تو ہم دن کے وقت دریا، پہاڑ، آدمی، مکان، غرض جو کچھ بھی دیکھتے ہیں وہ سب بھی پھر مشکوک اور محض نظر کا دھوکا ہی ہو سکتا ہے۔

دوسرے یہ کہ آپ کی اپنی داخلی حالت بھی اس کی صحت کا یقین دلانے والی تھی۔ آپ پوری طرح اپنے ہوش و حواس میں تھے۔ پہلے سے آپ کے ذہن میں اِس طرح کا سرے سے کوئی خیال نہ تھا کہ آپ کو ایسا کوئی مشاہدہ ہونا چاہیے یا ہونے والا ہے۔ ذہن اس فکر سے اور اس کی تلاش سے بالکل خالی تھا۔ اور اس حالت میں اچانک آپ کو اس معاملہ سے سابقہ پیش آیا۔ اس پر یہ شک کرنے کی کوئی گنجائش نہ تھی کہ آنکھیں کسی حقیقی منظر کو نہیں دیکھ رہی ہیں بلکہ ایک خیالی ہیولیٰ سامنے آگیا ہے۔

تیسرے یہ کہ جو ہستی اِن حالات میں آپ کے سامنے آئی تھی وہ ایسی عظیم، ایسی شاندار، ایسی حسین اور اس قدر منوّر تھی کہ نہ آپ کے وہم و خیال میں کبھی اس سے پہلے ایسی ہستی کا تصور آیا تھا جس کی وجہ سے آپ کو یہ گمان ہوتا کہ وہ آپ کے اپنے خیال کی آفریدہ ہے، اور نہ کوئی جن یا شیطان اس شان کا ہو سکتا ہے کہ آپ اسے فرشتے کے سوا اور کچھ سمجھتے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں نے جبریل کو اس صورت میں دیکھا کہ ان کے چھ سو بازو تھے (مسند احمد)۔ ایک دوسری روایت میں ابن مسعودؓ مزید تشریح کرتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام کا ایک ایک بازو اتنا عظیم تھا کہ اُفق پر چھایا ہوا نظر آتا تھا (مسند احمد)۔ اللہ تعالیٰ خود ان کی شان کو شَدِیْدُ الْقُوٰی اور ذُوْ مِرَّۃٍ کے الفاظ میں بیان فرما رہا ہے۔

چوتھے یہ کہ جو تعلیم وہ ہستی دے رہی تھی وہ بھی اس مشاہدے کی صحت کا اطمینان دلانے والی تھی۔ اس کے ذریعہ سے اچانک جو علم، اور تمام کائنات کے حقائق پر حاوی علم آپ کو ملا اُس کا کوئی تصوّر پہلے سے آپ کے ذہن میں نہ تھا کہ آپ اس پر یہ شبہ کرتے کہ یہ میرے اپنے ہی خیالات ہیں جو مرتب ہو کر میرے سامنے آگئے ہیں۔ اسی طرح اُس علم پر یہ شک کرنے کی بھی کوئی گنجائش نہ تھی کہ شیطان اس شکل میں آکر آپ کو دھوکا دے رہا ہے۔ کیونکہ شیطان کا یہ کام آخر کب ہو سکتا ہے اور کب اس نے یہ کام کیا ہے کہ انسان کو شرک و بُت پرستی کے خلاف توحیدِ خالص کی تعلیم دے، آخرت کی بازپرس سے خبردار کرے، جاہلیّت اور اس کے طور طریقوں سے بیزار کرے، فضائلِ اخلاق کی طرف دعوت دے، اور ایک شخص سے یہ کہے کہ نہ صرف تو خود اس تعلیم کو قبول کر

سے دیکھتا ہے؟ اور ایک مرتبہ پھر اُس نے سِدرۃ المنتہیٰ کے پاس اُس کو دیکھا جہاں پاس ہی جنت الماویٰ ہے۔[11] اُس وقت سِدرہ پر چھا رہا تھا جو کچھ کہ چھا رہا تھا۔[12] نگاہ نہ چوندھیائی نہ حد سے متجاوز ہوئی،[13] اور

بلکہ ساری دنیا سے شرک اور ظلم اور فسق و فجور کو مٹانے اور اِن بُرائیوں کی جگہ توحید اور عدل اور تقویٰ کی بھلائیاں قائم کرنے کے لیے اُٹھ کھڑا ہو۔

پانچویں اور سب سے اہم وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی شخص کو اپنی نبوت کے لیے چُن لیتا ہے تو اس کے دل کو شکوک و شبہات اور وساوس سے پاک کر کے یقین و اذعان سے بھر دیتا ہے۔ اس حالت میں اس کی آنکھیں جو کچھ دیکھتی ہیں اور اس کے کان جو کچھ سنتے ہیں، اس کی صحت کے متعلق کوئی ادنیٰ سا تردّد بھی اس کے ذہن میں پیدا نہیں ہوتا۔ وہ پُورے شرحِ صدر کے ساتھ ہر اُس حقیقت کو قبول کرتا ہے جو اس کے رب کی طرف سے اس پر منکشف کی جاتی ہے، خواہ وہ کسی مشاہدے کی شکل میں ہو جو اسے آنکھوں سے دکھایا جائے، یا الہامی علم کی شکل میں ہو جو اس کے دل میں ڈالا جائے، یا پیغامِ وحی کی شکل میں ہو جو اس کو لفظ بلفظ سنایا جائے۔ ان تمام صورتوں میں پیغمبر کو اس امر کا پُورا شعور ہوتا ہے کہ وہ ہر قسم کی شیطانی مداخلت سے قطعی محفوظ و مامون ہے اور جو کچھ بھی اس تک کسی شکل میں پہنچ رہا ہے وہ ٹھیک اُس کے رب کی طرف سے ہے۔ تمام خداداد احساسات کی طرح پیغمبر کا یہ شعور و احساس بھی ایک ایسی یقینی چیز ہے جس میں غلط فہمی کا کوئی امکان نہیں۔ جس طرح مچھلی کو اپنے تیراک ہونے کا، پرندے کو اپنے پرندہ ہونے کا، اور انسان کو اپنے انسان ہونے کا احساس بالکل خداداد ہوتا ہے اور اس میں غلط فہمی کا کوئی شائبہ نہیں ہو سکتا، اسی طرح پیغمبر کو اپنے پیغمبر ہونے کا احساس بھی خداداد ہوتا ہے، اس کے دل میں کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی یہ وسوسہ نہیں آتا کہ شاید اسے اپنے پیغمبر ہونے کی غلط فہمی لاحق ہو گئی ہے۔

[11] یہ جبریل علیہ السلام سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری ملاقات کا ذکر ہے جس میں وہ آپ کے سامنے اپنی اصلی صورت میں نمودار ہوئے۔ اس ملاقات کا مقام "سدرۃ المنتہیٰ" بتایا گیا ہے، اور ساتھ ہی یہ فرمایا گیا ہے کہ اس کے قریب "جنت الماویٰ" واقع ہے۔

سِدرہ عربی زبان میں بیری کے درخت کو کہتے ہیں، اور منتہیٰ کے معنی ہیں آخری سرا۔ "سدرۃ المنتہیٰ" کے

لغوی معنی ہیں "وہ بیری کا درخت جو آخری یا انتہائی سرے پر واقع ہے"۔ علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں اس کی تشریح یہ کی ہے کہ الیہا ینتہی علم کل عالم وما وراءھا لا یعلمہ الا اللہ "اس پر ہر عالم کا علم ختم ہو جاتا ہے، آگے جو کچھ ہے اسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا"۔ قریب قریب یہی تشریح ابن جریر نے اپنی تفسیر میں، اور ابن اثیر نے النہایہ فی غریب الحدیث والاثر میں کی ہے۔ ہمارے لیے یہ جاننا مشکل ہے کہ اس عالمِ مادی کی آخری سرحد پر وہ بیری کا درخت کیسا ہے اور اس کی حقیقی نوعیت و کیفیت کیا ہے۔ یہ کائناتِ خداوندی کے وہ اسرار ہیں جن تک ہمارے فہم کی رسائی نہیں ہے۔ بہرحال وہ کوئی ایسی ہی چیز ہے جس کے لیے انسانی زبان کے الفاظ میں "سدرہ" سے زیادہ موزوں لفظ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور کوئی نہ تھا۔

"جنت الماویٰ" کے لغوی معنی ہیں "وہ جنت جو قیام گاہ بنے"۔ حضرت حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ یہ وہی جنت ہے جو آخرت میں اہلِ ایمان و تقویٰ کو ملنے والی ہے، اور اسی آیت سے انہوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ وہ جنت آسمان میں ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ وہ جنت ہے جس میں شہداء کی ارواح رکھی جاتی ہیں، اس سے مراد وہ جنت نہیں ہے جو آخرت میں ملنے والی ہے۔ ابن عباس بھی یہی کہتے ہیں اور اس پر وہ یہ اضافہ بھی کرتے ہیں کہ آخرت میں جو جنت اہلِ ایمان کو دی جائے گی وہ آسمان میں نہیں ہے بلکہ اس کی جگہ یہی زمین ہے۔

۱۲؎ یعنی اس کی شان اور اس کی کیفیت بیان سے باہر ہے۔ وہ ایسی تجلیات تھیں کہ نہ انسان ان کا تصور کر سکتا ہے اور نہ کوئی انسانی زبان اس کے وصف کی متحمل ہے۔

۱۳؎ یعنی ایک طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالِ تحمل کا حال یہ تھا کہ ایسی زبردست تجلیات کے سامنے بھی آپ کی نگاہ میں کوئی چکاچوند پیدا نہ ہوئی اور آپ پورے سکون کے ساتھ اُن کو دیکھتے رہے۔ دوسری طرف آپ کے ضبط اور یکسوئی کا کمال یہ تھا کہ جس مقصد کے لیے آپ کو بلایا گیا تھا اسی پر آپ اپنے ذہن اور اپنی نگاہ کو مرکوز کیے رہے اور جو حیرت انگیز مناظر وہاں تھے اُن کو دیکھنے کے لیے آپ نے ایک تماشائی کی طرح ہر طرف نگاہیں دوڑانی نہ شروع کر دیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کو ایک عظیم و جلیل بادشاہ کے دربار میں حاضری کا موقع ملتا ہے اور وہاں وہ کچھ شان و شوکت اس کے سامنے آتی ہے جو اس کی چشمِ تصور نے بھی کبھی نہ دیکھی تھی۔ ایک اگر وہ شخص کم ظرف ہو تو وہاں پہنچ کر بھونچکا رہ جائے گا، اور اگر آداب

اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔[۱۴]

حضوری سے ناآشنا ہو تو مقامِ شاہی سے غافل ہو کر دربار کی سجاوٹ کا نظارہ کرنے کے لیے ہر طرف مڑ مڑ کر دیکھنے لگے گا۔ لیکن ایک عالی ظرف۔ ادب آشنا اور فرض شناس آدمی نہ تو وہاں پہنچ کر مبہوت ہو گا اور نہ دربار کا تماشا دیکھنے میں مشغول ہو جائے گا، بلکہ وہ پورے وقار کے ساتھ حاضر ہو گا اور اپنی ساری توجہ اُس مقصد پر مرتکز رکھے گا جس کے لیے دربارِ شاہی میں اس کو طلب کیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی خوبی ہے جس کی تعریف اس آیت میں کی گئی ہے۔

[۱۴] یہ آیت اِس امر کی تصریح کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو نہیں بلکہ اس کی عظیم الشان آیات کو دیکھا تھا۔ اور چونکہ سیاق و سباق کی رُو سے یہ دوسری ملاقات بھی اُسی ہستی سے ہوئی تھی جس سے پہلی ملاقات ہوئی، اس لیے لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ اُفقِ اعلیٰ پر جس کو آپ نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا وہ بھی اللہ نہ تھا، اور دوسری مرتبہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس جس کو دیکھا وہ بھی اللہ نہ تھا۔ اگر آپ نے اِن مواقع میں سے کسی موقع پر بھی اللہ جل شانہ کو دیکھا ہوتا تو یہ اتنی بڑی بات تھی کہ یہاں ضرور اس کی تصریح کر دی جاتی۔ حضرت موسیٰ کے متعلق قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی درخواست کی تھی اور انہیں جواب دیا گیا تھا کہ لَنْ تَرٰنِیْ، "تم مجھے نہیں دیکھ سکتے" (المائدہ: ۱۴۳)۔ اب یہ ظاہر ہے کہ اگر یہ شرف، جو حضرت موسیٰ کو عطا نہیں کیا گیا تھا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کر دیا جاتا تو اس کی اہمیت خود ایسی تھی کہ اسے صاف الفاظ میں بیان کر دیا جاتا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں کہیں یہ نہیں فرمایا گیا ہے کہ حضورؐ نے اپنے رب کو دیکھا تھا، بلکہ واقعۂ معراج کا ذکر کرتے ہوئے سورۂ بنی اسرائیل میں بھی یہ ارشاد ہُوا ہے کہ ہم اپنے بندے کو اس لیے لے گئے تھے کہ "اس کو اپنی نشانیاں دکھائیں" (لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا)، اور یہاں سدرۃ المنتہیٰ پر حاضری کے سلسلے میں بھی یہ فرمایا گیا ہے کہ "اس نے اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں" (لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی)۔

اِن وجوہ سے بظاہر اس بحث کی کوئی گنجائش نہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن دونوں مواقع پر اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا یا جبریل علیہ السلام کو۔ لیکن جس وجہ سے یہ بحث پیدا ہوئی وہ یہ ہے کہ اس مسئلے پر احادیث کی روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ذیل میں ہم ترتیب وار اُن احادیث کو درج کرتے ہیں جو اس سلسلے میں

مختلف صحابۂ کرام سے منقول ہوئی ہیں۔

(۱) حضرت عائشہؓ کی روایات:

بخاری، کتاب التفسیر میں حضرت مسروق کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے عرض کیا، اماں جان کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تھا؟ انہوں نے جواب دیا "تمہاری اس بات سے میرے تو رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ تم یہ کیسے بھول گئے کہ تین باتیں ایسی ہیں جن کا اگر کوئی شخص دعویٰ کرے تو جھوٹا دعویٰ کرے گا"۔ (ان میں سے پہلی بات حضرت عائشہؓ نے یہ فرمائی کہ) "جو شخص تم سے یہ کہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تھا وہ جھوٹ کہتا ہے"۔ پھر حضرت عائشہؓ نے یہ آیتیں پڑھیں: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (نگاہیں اُس کو نہیں پا سکتیں)۔ اور مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ (کسی بشر کا یہ مقام نہیں ہے کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر یا تو وحی کے طور پر، یا پردے کے پیچھے سے، یا پھر کوئی فرشتہ بھیجے اور وہ اس پر اللہ کے اذن سے وحی کرے جو کچھ وہ چاہے)۔ اس کے بعد انہوں نے فرمایا "لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام کو دو مرتبہ ان کی اصلی صورت میں دیکھا تھا"۔

اس حدیث کا ایک حصہ بخاری، کتاب التوحید، باب ۴ میں بھی ہے۔ اور کتاب بدء الخلق میں مسروق کی جو روایت امام بخاری نے نقل کی ہے اس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ کی یہ بات سن کر عرض کیا کہ پھر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہو گا ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى؟ اس پر انہوں نے فرمایا "اس سے مراد جبریلؑ ہیں۔ وہ ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے انسانی شکل میں آیا کرتے تھے مگر اس موقع پر وہ اپنی اصلی شکل میں آپ کے پاس آئے اور سارا افق اُن سے بھر گیا"۔

مسلم، کتاب الایمان، باب فی ذکر سدرۃ المنتہیٰ میں حضرت عائشہ سے مسروق کی یہ گفتگو زیادہ تفصیل کے ساتھ نقل ہوئی ہے اور اس کا سب سے اہم حصہ یہ ہے: حضرت عائشہؓ نے فرمایا "جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تھا وہ اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا افترا کرتا ہے"۔ مسروق کہتے ہیں کہ میں ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ یہ بات سن کر میں اُٹھ بیٹھا اور میں نے عرض کیا، ام المومنین جلدی نہ فرمایئے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ؟ اور وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى؟

حضرت عائشہؓ نے جواب دیا اس امت میں سب سے پہلے میں نے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس معاملے کو دریافت کیا تھا حضورؐ نے فرمایا انما ھو جبریل علیہ السلام، لم ارہٗ علی صورتہ التی خلق علیہا غیرھاتین المرتین، رأیتہ منھبطاً من السماء ساداً عظم خلقہ ما بین السماء والارض۔ "وہ تو جبریل علیہ السلام تھے۔ میں نے ان کو ان کی اُس اصلی صورت میں جس پر اللہ نے ان کو پیدا کیا ہے، ان دو مواقع کے سوا کبھی نہیں دیکھا۔ ان دو مواقع پر میں نے ان کو آسمان سے اترتے ہوئے دیکھا، اور ان کی عظیم ہستی زمین و آسمان کے درمیان ساری فضا پر چھائی ہوئی تھی۔"

ابنِ مَردُوْیَہ نے مسروق کی اس روایت کو جن الفاظ میں نقل کیا ہے وہ یہ ہیں: "حضرت عائشہؓ نے فرمایا: سب سے پہلے میں نے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا تھا کہ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا تھا؟ حضورؐ نے جواب دیا نہیں، میں نے تو جبرئیل کو آسمان سے اترتے دیکھا تھا۔"

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایات:

بخاری، کتاب التفسیر، مسلم کتاب الایمان اور ترمذی ابواب التفسیر میں زِرّ بن حُبَیش کی روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی کی تفسیر یہ بیان فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام کو اس صورت میں دیکھا کہ ان کے چھ سو بازو تھے۔

مُسلم کی دوسری روایات میں مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی اور لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی کی بھی یہی تفسیر زِرّ بن حُبَیش نے عبداللہ بن مسعودؓ سے نقل کی ہے۔

مُسند احمد میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ تفسیر زِرّ بن حُبَیش کے علاوہ عبدالرحمٰن بن یزید اور ابووائل کے واسطہ سے بھی منقول ہوئی ہے اور مزید برآں مُسند احمد میں زِرّ بن حُبَیش کی دو روایتیں اور نقل ہوئی ہیں جن میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وَلَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰی عِنْدَ سِدْرَۃِ الْمُنْتَہٰی کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأیت جبریل عند سدرۃ المنتہٰی علیہ ستمأۃ جناح "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جبریل کو سدرۃ المنتہٰی کے پاس دیکھا، ان کے چھ سو بازو تھے۔" اسی مضمون کی روایت امام احمدؒ نے شقیق بن سلمہ سے بھی نقل کی ہے جس میں

وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی زبان سے یہ سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہ فرمایا تھا کہ میں نے جبریل علیہ السلام کو اس صورت میں سدرۃ المنتہیٰ پر دیکھا تھا۔

(۳) حضرت ابوہریرہؓ سے عطاء بن ابی رباح نے آیت لَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْریٰ کا مطلب پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ رأی جبریل علیہ السلام "حضورؐ نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا تھا" (مسلم کتاب الایمان)

(۴) حضرت ابوذرؓ سے عبداللہ بن شقیق کی دو روایتیں امام مسلم نے کتاب الایمان میں نقل کی ہیں ایک روایت میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا تھا؟ حضورؐ نے جواب دیا: نورٌ اَنّٰی اراہ۔ اور دوسری روایت میں فرماتے ہیں کہ میرے اس سوال کا جواب آپؐ نے یہ دیا کہ رأیتُ نورًا۔ حضورؐ کے پہلے ارشاد کا مطلب ابن القیم نے زاد المعاد میں یہ بیان کیا ہے کہ "میرے اور رویتِ رب کے درمیان نور حائل تھا" اور دوسرے ارشاد کا مطلب وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ "میں نے اپنے رب کو نہیں بلکہ بس ایک نور دیکھا"۔

نسائی اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابوذرؓ کا قول ان الفاظ میں نقل کیا ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دل سے دیکھا تھا، آنکھوں سے نہیں دیکھا"۔

(۵) حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے امام مسلم کتاب الایمان میں یہ روایت لائے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا: ما انتہی الیہ بصرہ من خلقہ "اللہ تعالیٰ تک اس کی مخلوق میں سے کسی کی نگاہ نہیں پہنچی"۔

(۶) حضرت عبداللہ بن عباس کی روایات:

مسلم کی روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ما کذب الفؤاد ما رأی ولقد راٰہ نزلۃً اُخریٰ کا مطلب پوچھا گیا تو انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دو مرتبہ اپنے دل سے دیکھا۔ یہ روایت مسند احمد میں بھی ہے۔

ابن مردویہ نے عطاء بن ابی رباح کے حوالہ سے ابن عباس کا یہ قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو آنکھوں سے نہیں بلکہ دل سے دیکھا تھا۔

نسائی میں عکرمہ کی روایت ہے کہ ابن عباس نے فرمایا اتعجبون ان تکون الخلۃ لابراھیم

والکلام لموسیٰ والرؤیۃ لمحمد؟ "کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے خلیل بنایا، موسیٰ علیہ السلام کو کلام سے سرفراز کیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رؤیت کا شرف بخشا؟" حاکم نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔

ترمذی میں شعبی کی روایت ہے کہ ابن عباس نے ایک مجلس میں فرمایا "اللہ نے اپنی رؤیت اور اپنے کلام کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان تقسیم کر دیا تھا موسیٰ علیہ السلام سے اس نے دو مرتبہ کلام کیا، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ اس کو دیکھا۔" ابن عباس کی اسی گفتگو کو سُن کر مسروق حضرت عائشہؓ کے پاس گئے اور ان سے پوچھا "کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تھا؟" انہوں نے فرمایا "تم نے وہ بات کہی ہے جسے سُن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔" اس کے بعد حضرت عائشہؓ اور مسروق کے درمیان وہ گفتگو ہوئی جسے ہم اُوپر حضرت عائشہؓ کی روایات میں نقل کر آئے ہیں۔

ترمذی ہی میں دوسری روایات جو ابن عباس سے منقول ہوئی ہیں ان میں سے ایک میں وہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا۔ دوسری میں فرماتے ہیں دو مرتبہ دیکھا تھا۔ اور تیسری میں ان کا ارشاد یہ ہے کہ آپ نے اللہ کو دل سے دیکھا تھا۔

مُسندِ احمد میں ابن عباس کی ایک روایت یہ ہے کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأیت ربی تبارک وتعالیٰ "میں نے اپنے رب تبارک وتعالیٰ کو دیکھا۔" دوسری روایت میں وہ کہتے ہیں ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اتانی ربی اللیلۃ فی احسن صورۃ، احسبہ یعنی فی النوم۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج رات میرا رب بہترین صورت میں میرے پاس آیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ حضورؐ کے اس ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ خواب میں آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔"

طبرانی اور ابن مردویہ نے ابن عباس سے ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا، ایک مرتبہ آنکھوں سے اور دوسری مرتبہ دل سے۔

(۷) محمد بن کعب القرظی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض صحابہ نے پوچھا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ حضورؐ نے جواب دیا "میں نے اس کو دو مرتبہ اپنے دل سے دیکھا" (ابن ابی حاتم)۔ اِس

روایت کو ابن جریر نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا "میں نے اس کو آنکھ سے نہیں بلکہ دل سے دو مرتبہ دیکھا ہے"۔

(۸) حضرت انسؓ بن مالک کی ایک روایت جو قصۂ معراج کے سلسلے میں شریک بن عبداللہ کے حوالہ سے امام بخاریؒ نے کتاب التوحید میں نقل کی ہے اس میں یہ الفاظ آتے ہیں: حَتّٰی جَاءَ سِدْرَۃَ الْمُنْتَھٰی ودنا الجبار رب العزۃ فتدلّٰی حتّٰی کان منہ قاب قوسین او ادنٰی فاوحی اللہ فیما اوحی الیہ خمسین صلٰوۃ۔ یعنی جب آپ سدرۃ المنتہٰی پر پہنچے تو اللہ رب العزۃ آپ کے قریب آیا اور آپ کے اوپر معلق ہو گیا یہاں تک کہ آپ کے اور اس کے درمیان بقدر دو کمان یا اس سے بھی کچھ کم فاصلہ رہ گیا، پھر اللہ نے آپؐ پر جو امور وحی فرمائے ان میں سے ایک ۵۰ نمازوں کا حکم تھا"۔ لیکن علاوہ اُن اعتراضات کے جو اس روایت کی سند اور مضمون پر امام خطابی، حافظ ابن حجرؒ، ابن حزم اور حافظ عبدالحق صاحب الجمع بین الصحیحین نے کیے ہیں، سب سے بڑا اعتراض اس پر یہ وارد ہوتا ہے کہ یہ صریح قرآن کے خلاف پڑتی ہے۔ کیونکہ قرآنِ مجید دو الگ الگ رؤیتوں کا ذکر کرتا ہے جن میں سے ایک ابتداءً اُفقِ اعلیٰ پر ہوئی تھی اور پھر اس میں دَنَا فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی کا معاملہ پیش آیا تھا، اور دوسری سدرۃ المنتہٰی کے پاس واقع ہوئی تھی۔ لیکن یہ روایت ان دونوں رؤیتوں کو خلط ملط کر کے ایک رُویت بنا دیتی ہے۔ اس لیے قرآن مجید سے متعارض ہونے کی بنا پر اس کو تو کسی طرح قبول ہی نہیں کیا جا سکتا۔

اب رہیں وہ دوسری روایات جو ہم نے اوپر نقل کی ہیں، تو ان میں سب سے زیادہ وزنی روایتیں وہ ہیں جو حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عائشہؓ سے منقول ہوئی ہیں، کیونکہ ان دونوں نے بالاتفاق خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بیان کیا ہے کہ ان دونوں مواقع پر آپ نے اللہ تعالیٰ کو نہیں بلکہ جبریل علیہ السلام کو دیکھا تھا، اور یہ روایات قرآن مجید کی تصریحات اور اشارات سے پوری طرح مطابقت رکھتی ہیں۔ مزید براں ان کی تائید حضورؐ کے اُن ارشادات سے بھی ہوتی ہے جو حضرت ابوذرؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے آپ سے نقل کیے ہیں۔ اس کے برعکس حضرت عبداللہ بن عباس سے جو روایات کتبِ حدیث میں منقول ہوئی ہیں ان میں سخت اضطراب پایا جاتا ہے۔ کسی میں وہ دونوں رُؤیتوں کو عینی کہتے ہیں، کسی میں دونوں کو قلبی قرار دیتے ہیں،

کسی میں ایک کو عینی اور دوسری کو قلبی بتاتے ہیں، اور کسی میں عینی رؤیت کی صاف صاف نفی کر دیتے ہیں۔ ان میں سے کوئی روایت بھی ایسی نہیں ہے جس میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا کوئی ارشاد نقل کر رہے ہوں۔ اور جہاں انہوں نے خود حضورؐ کا ارشاد نقل کیا ہے، وہاں اوّل تو قرآن مجید کی بیان کردہ ان دونوں رویتوں میں سے کسی کا بھی ذکر نہیں ہے، اور مزید برآں ان کی ایک روایت کی تشریح دوسری روایت سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضورؐ نے کسی وقت بحالتِ بیداری نہیں بلکہ خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا۔ اس لیے درحقیقت ان آیات کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس سے منسوب روایات پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

اسی طرح محمد بن کعب القُرَظِی کی روایات بھی، اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد نقل کرتی ہیں لیکن ان میں اُن صحابۂ کرام کے ناموں کی کوئی تصریح نہیں ہے جنہوں نے حضورؐ سے یہ بات سُنی۔ نیز اُن میں سے ایک میں بتایا گیا ہے کہ حضورؐ نے عینی رویت کی صاف صاف نفی فرما دی تھی۔

الاخوان المسلمون

تاریخ — دعوت — خدمات

(۴)

خلیل حامدی

گذشتہ صفحات میں ہم نے اخوان المسلمون کی تاریخ اور دعوت کا سرسری جائزہ لیا ہے تاکہ قارئین کو یہ اندازہ ہو سکے کہ جس تحریک کے ساتھ مسلسل جبر و تشدد کا سلوک برتا جا رہا ہے اور جسے دبانے کے لیے گولی اور پھانسی کے سوا کسی اور طریقے پر قناعت نہیں کی جا رہی ہے۔ اس تحریک کی تاریخ کس قدر بے داغ اور شفاف ہے اور اُس نے کس طرح ہر ہر مرحلے پر اسلام سے بے لوث وابستگی، احیائے اسلام کی مخلصانہ تڑپ اور قوم و وطن کی محبت و خیر خواہی کا ثبوت دیا ہے۔ آئندہ صفحات میں ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اخوان کی تحریک نے مصری معاشرے پر کیا اثر ڈالا ہے اور مصری معاشرے کی ہمہ گیر اصلاح کے لیے کیا خدمات سرانجام دی ہیں۔

ہم آغاز ہی میں بتا چکے ہیں کہ اخوان المسلمون کی تاسیس ایسے دور میں ہوئی جب کہ ایک طرف عثمانی خلافت کی بساط لپیٹ چکی تھی اور تورانی قومیت نے سر اٹھا لیا تھا اور دوسری طرف عرب قومیت جوابی نعرہ بن چکی تھی۔ لبنان کے عیسائی اداروں اور مصر کے ملاحدہ نے عرب قومیت کی آڑ میں مصر کے اندر الحاد اور فسق و فجور اور مغرب پرستی کو خوب فروغ دیا۔ اور بڑے بڑے مسلمان اہلِ علم اس رَو میں بہ گئے، دار العلوم قاہرہ کو اس زمانے میں فکری قیادت کا منصب حاصل تھا۔ اس دار العلوم کا کلب جو شہزادہ ناصف بک کی سرپرستی میں قائم تھا اور جس کے ساتھ بڑے بڑے اہلِ علم وابستہ تھے مکمل کھلا سیاسۃ الباب المفتوح" (یعنی مصر کا دروازہ ہر نظریے اور ہر تہذیب کے لیے کھلا رکھنے کی پالیسی) کا علمبردار تھا۔ ادبا

اور اہلِ علم کی ایک جماعت مصر کو مشرق کے بجائے یورپ کا ایک حصہ سمجھتی تھی اور بحر احمر کے بجائے بحر متوسط سے اپنے قلابے ملاتی تھی۔ موسیٰ سلامہ جیسے ژولیدہ فکر مفکرین تو یہاں تک کہتے تھے کہ: "اہل مصر کے لیے عربی ادب کے بجائے جرمنی اور چین کا ادب قریب تر ہے"۔ صحافت کا یہ حال تھا کہ محب الدین الخطیب ۱۹۲۴ء میں مصری صحافت کا جائزہ لینے کے بعد یہ رائے قائم کرتے ہیں کہ "ہمارے ہاں کے مسلمان اخبار "ہالی وڈ" کے آرگن معلوم ہوتے ہیں"۔ تجارت پوری کی پوری یورپین ہاتھوں میں تھی۔ نہ صرف بڑے بڑے کارخانے اور کاروباری فرمیں یورپین لوگوں کے قبضہ میں تھیں بلکہ ہوٹل اور قہوہ خانے تک ان کی ملکیت میں تھے۔ ان یورپین تاجروں میں ایک لاکھ کے قریب صرف اطالوی تھے۔ مصری مفکرین نے ان غیر ملکی تاجروں سے نجات پانے کے لیے صرف اتنا کیا کہ بنک مصر کی بنیاد ڈال دی۔ یہ بنک طلعت حرب پاشا نے قائم کیا اور مصری سینماؤں اور تھیٹروں کو ترقی دے کر مصر کی اقتصادی خود مختاری کی تحریک چلائی۔ تعلیم کا اس سے بھی بدتر حال تھا۔ اس میدان میں غیر ملکیوں نے مکمل اجارہ داری قائم کر رکھی تھی۔

فکری انقلاب کے لیے کام ان حالات میں اخوان نے اپنی جامع اصلاحی تحریک کا آغاز کیا اور مصری معاشرے کی ہمہ پہلو اصلاح کا کام شروع کر دیا۔ ایک طرف انہوں نے تعلیم یافتہ طبقہ کو اپنی کوششوں کا مرکز بنایا اور دوسری طرف عمّال اور فلاحین کے طبقہ میں اپنی سرگرمیاں جاری کر دیں۔ اول الذکر طبقہ وطنیت، قومیت اور الحاد کے سیلاب میں تیزی سے بہا جا رہا تھا اور موخر الذکر بادشاہت اور استعمار کی چکّی میں بری طرح پس رہا تھا اور اُسے زندگی اور اُس کے تقاضوں کا کوئی ہوش نہ رہا تھا۔

چنانچہ اخوان نے الحاد، دہریت، محدود وطنی قومیت اور مغرب پرستی کے خلاف آواز بلند کی۔ اخوان کے رہنماؤں نے اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ سے ان مفاسد پر تنقید کی اور ان کے نقصانات کو واضح کیا۔ دین اور دنیا کی تقسیم کے نعرہ کی حقیقت کو بے نقاب کیا، اور اسلام کو مکمل نظامِ زندگی کی حیثیت سے پیش کیا۔ مغربی تہذیب کے سیلاب کو روکا۔ اور اس کے بجائے اسلامی تہذیب کا ذوق پیدا کیا۔ تعلیم گاہیں مغربی تہذیب اور مغربی نظریات کی اشاعت و ترویج کا سب سے بڑا مرکز تھیں۔ اخوان نے ان کی طرف توجہ کی، طلبہ اور اساتذہ کے اندر دین کی روح پھونکی، اور فضول کاموں میں

وقت صرف کرنے کے بجائے انہیں جہاد کی تربیت دی۔ فوآد الاول یونیورسٹی (موجودہ قاہرہ یونیورسٹی) مصر کی سب سے بڑی تعلیم گاہ شمار ہوتی ہے۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ اس یونیورسٹی میں اسلام کا مذاق اڑایا جاتا تھا مگر اخوان کی دعوت سے اس میں یہاں تک تبدیلی آئی کہ یونیورسٹی کے طلبہ کی یونین میں اخوان کے حامی طلبہ کو اکثریت حاصل ہوگئی۔ بلکہ فلسطینی مصنف ڈاکٹر اسحاق موسیٰ الحسینی کے الفاظ میں: "فوآد یونیورسٹی کی یونین پر اخوان چھا گئے تھے"۔ ۱۹۵۱ء میں اس یونیورسٹی کے انتخابات کی پوزیشن یہ تھی:

ایگریکلچرل کالج	تمام نشستیں جن کی کل تعداد ۱۱ تھی اخوانی طلبہ نے حاصل کرلیں
سائنس کالج	تمام نشستیں جن کی کل تعداد ۱۱ تھی، انہوں نے جیت لیں۔
انجینئرنگ کالج	۱۰ نشستوں میں سے سات
آرٹس کالج	۱۶ نشستوں میں سے گیارہ
لا کالج	۱۰ نشستوں میں سے نو
کامرس کالج	۱۳ میں سے ۹۔

لا کالج ایک وقت میں وفد پارٹی کے حامی طلبہ کا گڑھ تھا۔ مگر اخوانی طلبہ نے وہاں دس نشستوں میں سے نو جیت لیں۔ جب اخوان نے فلسطین کی جنگ میں حصہ لینے کا اعلان کیا تو یہی طلبہ مجاہدین کی اگلی صفوں میں شامل ہوئے۔ اور انہوں نے اخوان کے کیمپوں میں جا جا کر عسکری تربیت حاصل کی۔ برطانوی اخبارات نے بھی اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ طلبہ پر جس تحریک کا سب سے زیادہ اثر تھا وہ اخوان المسلمون کی تحریک تھی۔

ان تعلیم گاہوں سے جب اسلام اور اسلامی نظام کی آواز اٹھی تو اس نے زندگی کے ہر شعبے پر اثر ڈالا۔ اہل علم و ادب اس سے متأثر ہوئے۔ قانون کے حلقوں پر اس کا اثر پڑا۔ اور بیس پچیس سال کے اندر اندر مصری معاشرہ کی کایا پلٹ گئی۔ وہ لوگ جن کی تحریریں مغربی افکار و نظریات کی خدمت کے لیے وقف تھیں اور ان کی تنقید کی تان ہمیشہ اسلام پر آکر ٹوٹتی تھی، وہی لوگ ہوا کا رخ دیکھ کر بدل گئے اور ان کے الحاد نواز قلم اسلامی تاریخ و تمدن اور اسلامی نظامِ حکومت و معاشرت کے ثنا خواں بن گئے۔ "حیاتِ محمد" کا

مصنف محمد حسین ہیکل مرحوم اس تبدیلی کی ایک واضح مثال ہے۔ اسلامی کتابوں کی مانگ اس حد تک بڑھ گئی کہ پیشہ ور مصنفوں کے لیے بھی اسلام ہی کا موضوع وقت کی ضرورت تھا۔

جو زبانیں دین و سیاست کی تفریق کا نعرہ بلند کر رہی تھیں، اور اسلام پر کہنگی کا الزام عائد کر رہی تھیں، اور جن کا مطمح نظر معبود وطن کی پرستش کے سوا کچھ نہ تھا، انہی زبانوں سے یہ نعرہ بلند ہونے لگا کہ اسلام عقیدہ بھی ہے اور عبادت بھی۔ وطن بھی ہے اور نسل بھی۔ دین بھی ہے اور ریاست بھی۔ روحانیت بھی ہے اور عمل بھی، قرآن بھی ہے اور تلوار بھی۔" یہ دعوت قوم کے ہر طبقے تک پہنچی۔ شہروں سے نکل کر دیہاتوں میں اس نے فروغ پایا۔ قوم کا ہر فرد کسی نہ کسی حیثیت سے اس سے متاثر ہوا۔ مصر کا نامور ادیب احمد حسن زیات اسی دور کے بارے میں لکھتا ہے

"صرف اخوان المسلمون ہی اس بگڑی ہوئی سوسائٹی کے اندر خالص اسلامی عقیدے اور ریچے اسلامی ذہن کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ یہ لوگ دین کو ایک الگ تھلگ صومعہ نہیں سمجھتے اور نہ دنیا کو ایک آزاد اور مستقل بازار تصور کرتے ہیں۔ ان کی نگاہ میں مسجد بازار کا ایک منارہ ہے، اور بازار مسجد کا ایک حصہ ہے۔ وعظ و تذکیر کے لیے ان کے پاس زبان ہے۔ اقتصادی میدان میں ان کے عملی منصوبے نافذ ہیں۔ جہاد کے لیے یہ اسلحہ کی تربیت حاصل کرتے ہیں۔ سیاست میں ان کا مستقل نظریہ ہے۔ ہر شہر کے اندر ان کے پیرو ہیں۔ ہر عرب ملک کے اندر ان کا نفوذ ہے۔ مصر و سوڈان، عراق و شام، یمن و حجاز اور الجزائر و مراکش میں آج جو قومی بیداری نظر آ رہی ہے یہ انہی کی دعوت کی شعاعیں ہیں۔ اور وہ وقت قریب آ رہا ہے کہ یہ غیر معمولی اہمیت اختیار کر جائیں گے"

(الرسالہ، شمارہ ۷ جنوری ۵۲ء)

فلسطین کے مشہور محقق ڈاکٹر اسحاق موسیٰ الحسینی تحریکِ اخوان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "سرکاری علماء محض زبانی جمع خرچ کر رہے تھے۔ صوفیاء کا گروہ تنگ نظر روحانیت پرستوں ۔۔۔ پر مشتمل تھا۔ شبان المسلمین کی تنظیم محض اصلاحی انجمن تھی۔ مصر جس بحران میں مبتلا تھا ہر گروہ اُس کا جزوی علاج تجویز

کررہا تھا۔ آخر اخوان المسلمون کی تحریک برپا ہوئی اور اس نے خلا کو پُر کردیا۔"

اس فکری اور عملی انقلاب کے لیے اخوان نے کیا وسائل اختیار کیے۔ دوسرے لفظوں میں اخوان نے مصری معاشرے کے لیے کیا خدمات سرانجام دیں اُن کا مختصر بیان یہ ہے:

امام حسن البنّا نے محمد محمود پاشا کو جو خط لکھا تھا اُس میں معاشرے کی تمام خرابیوں کی نشاندہی کرنے کے بعد واضح کر دیا تھا کہ ان خرابیوں کے لیے متعدد اصلاحی تدابیر اختیار کی جائیں گی۔ ان میں بنیادی تدبیریں یہ ہوں گی کہ تعلیم و تربیت کے سرچشمے درست کیے جائیں، قانون کی اصلاح کی جائے، منکرات کا سدِباب کیا جائے اور اوقاتِ فرصت کو مفید کاموں میں صرف کیا جائے۔" چنانچہ اخوان نے امام حسن البنّا کے بیان کردہ انہی خطوط پر اصلاح کا کام شروع کر دیا۔ اخوان کی سرگرمیوں کا سب سے پہلا مظاہرہ وعظ و تذکیر اور فکری اور اخلاقی اصلاح کی شکل میں ہُوا تاکہ "پیدائشی مسلمانوں کو شعوری مسلمان بنایا جاتے"۔ مزدوروں اور غریبوں کے اندر یہ کام خاص طور پر پھیلا اور "یہ لوگ جوق در جوق اس دعوت کی طرف لپک پڑے۔ اس دعوت میں انہیں بڑی راحت اور سکون نصیب ہُوا۔" اخوان کے یہ تربیتی وعظ چند بنیادوں پر قائم تھے: "مثلاً وہ ناخواندہ آبادیوں کو نماز اور روزے کی تعلیم دیتے اور قرآن کریم کی چند سورتیں یاد کراتے۔ اسلامی دعوت کی حقیقت بیان کرتے اور بتاتے کہ اسلام محض پوجا پاٹ کا نام نہیں ہے بلکہ انسانی زندگی کا مکمل ضابطہ ہے۔ لوگوں کو آداب و اخلاق کا عادی بناتے۔ شریعت کے اوامر و نواہی انہیں سمجھاتے اور ان کی پابندی کرواتے۔ مادہ پرستی کے سیلاب کو روکتے اور یہ بتاتے کہ مشرق کی جدید بیداری میں اسلام ہی کو زندگی کے ہر معاملے کا رہنما ہونا چاہیے۔ زندگی کے معاملات میں لوگوں کے ساتھ عملی تعاون کر کے ان کے سامنے مثالی زندگی کا نمونہ رکھتے۔"

شروع شروع میں تو ان کے وعظ اور درس مسجدوں میں ہوتے تھے، لیکن جب مختلف شہروں میں ان کی شاخیں کھل گئیں تو انہوں نے اپنی ہر شاخ کو درسگاہ بنا دیا جہاں عوام کو اسلامی طرزِ زندگی کی تربیت دی جاتی تھی۔" یہ تربیتی مرحلہ کئی سال تک جاری رہا۔

| ارباب اختیار کو اسلام کی دعوت | اپنی دعوت کے لیے دوسرا وسیلہ جو انہوں نے اختیار کیا وہ ملک کے

ذمہ دار اصحاب کو دعوتی خطوط بھیجنے کا تھا۔ محمد محمود پاشا کے زمانے سے انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا۔ محمد محمود پاشا کو طویل خط لکھا جس میں اُسے اسلامی نظام کے احیاء کی دعوت دی۔ اور چند اصلاحی اقدامات کی طرف توجہ دلائی۔ مثلاً یہ کہ مخلوط اجتماعات کو ختم کیا جائے جن میں مرد اور عورتیں مل کر رقص اور شراب نوشی کرتے ہیں خواہ یہ اجتماعات سرکاری ہوں یا غیر سرکاری۔ وزراء اور حکام کو جوئے اور ریس کے کلبوں اور تفریحی تقریبوں میں شرکت اور اخبارات میں اپنی بیگمات کی تصاویر شائع کرانے سے روکا جائے۔ نماز کے اوقات میں دفتروں میں چھٹی ہو اور سب لوگ نماز ادا کریں۔ حکام کے گھروں میں اسلامی تہذیب کا غلبہ ہو یعنی یہ لوگ انگریزی یا فرنچ کے بجائے گفتگو میں عربی زبان کو استعمال کریں اور بچوں کے لیے غیر ملکی مربیات کے بجائے مصری مربیات رکھیں۔ بدکار سرکاری ملازموں کے خلاف سخت انضباطی کارروائی کی جائے۔

اس خط میں محمد محمود پاشا کو قانونی اصلاح کی دعوت بھی دی گئی اور قانون کو اسلامی قالب میں ڈھالنے کا مطالبہ کیا گیا اور ایک ایسی کمیٹی بنانے کی تجویز پیش کی گئی جو مروجہ قوانین کو اسلامی قانون کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کے لیے غور و فکر کرے۔ ایک خط شاہ مصر، نحاس پاشا اور عرب سربراہوں کو اخوان نے لکھا جس کا آخری جملہ یہ ہے کہ جو حکومت یا ادارہ ملّتِ اسلامیہ کو صحیح اسلامی ترقی سے ہمکنار کرے گا ہم اپنے تمام وسائل اُس کے تصرف میں دینے کے لیے تیار ہیں۔ ہم اُس کے ہر حکم کی تعمیل کریں گے اور کسی قسم کی قربانی دینے سے دریغ نہیں کریں گے۔" عمر طوسن اور محمد علی توفیق کو خطوط لکھے اور ملک میں سیاسی پارٹیوں نے جو افراتفری برپا کر رکھی تھی اُس کی طرف توجہ دلائی اور قوم کو متحد ہونے کی دعوت دی۔ وزیر قانون احمد خشبہ پاشا کو خط لکھا اور اسلامی قانون کی تنفیذ کا اُس سے مطالبہ کیا۔ نحاس پاشا کو خط لکھا کہ مسلمان ملکوں کے ساتھ مصر کے دوستانہ تعلقات قائم کیے جائیں اور اتحادِ اسلامی اور اسلامی خلافت کے لیے راستہ ہموار کیا جائے۔ ایک اور خط میں نحاس پاشا سے مطالبہ کیا کہ وفد پارٹی اپنے منشور کو اسلامی اصولوں کے مطابق مرتب کرے۔

اخوان کے ان تمام رسائل کا مرکزی نظریہ یہ ہے کہ ملک کے اندر اسلامی حکومت قائم کی جائے اور اسلامی اصولوں کے مطابق معاشرے کی ہمہ گیر اصلاح کی جائے۔ ان رسائل کی عام اشاعت کے لیے اخوان نے

اپنے مرکزی دفتر میں ایک کمیٹی تشکیل کر رکھی تھی جو ان رسائل کی وسیع پیمانے پر نشرو اشاعت کا انتظام کرتی تھی۔

صحافت کے میدان میں صحافت کے میدان میں بھی اخوان نے قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ مصری صحافت محب الدین الخطیب کے الفاظ میں "ہالی وڈ" کی صحافت میں بدل چکی تھی۔ بیسویں صدی کے اوائل میں تو چند اخبارات ایسے ملتے ہیں جو اسلام کا نام لیتے رہے ہیں مثلاً شیخ علی یوسف کا اخبار المؤید، مصطفیٰ کامل کا اللواء، الرافعی کا الاخبار اور شیخ عبدالعزیز جاویش کا العلم۔ مگر اس کے بعد مصری صحافت پر خالص جاہلیت کا قبضہ تھا۔ آخر کار اخوان نے آکر اس بُت خانے میں توحید کی اذان دی۔ شروع شروع میں تو انہوں نے اپنے مخصوص ماہنامے نکالے۔ مگر ۱۹۴۶ء میں "الاخوان المسلمون" کے نام سے انہوں نے ایک روزنامہ جاری کیا۔ مصر اور دوسرے عرب ممالک میں اسے بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس نے اپنے جرأت مندانہ اداریوں اور بے لاگ تنقیدوں کے ذریعہ سے سرکاری حلقوں میں تہلکہ برپا کر دیا۔ انگریزی استعمار اس کی مقبولیت کو دیکھ کر دانت پیسنے لگا چنانچہ کئی مرتبہ اسے بند کیا گیا۔ اور خاص طور پر جب مصر اور برطانیہ کی گفت و شنید ہوتی تو اس اخبار کی بندش کے بعد اس گفت و شنید کا آغاز کیا جاتا۔ اس کے علاوہ اخوان کی طرف سے کئی ہفت روزہ اور ماہانہ پرچے نکالے گئے۔ مثلاً ماہنامہ المنار، ہفت روزہ التعارف، ہفت روزہ الشعاع، ہفت روزہ النذیر، ہفت روزہ الشہاب۔ ۱۹۴۸ء کے ابتلاء کے بعد انہوں نے المباحث، الدعوۃ اور المسلمون جاری کیے۔ اخوان نے اپنی زوردار صحافت کے ذریعہ سے مصر کی صحافتی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا۔ لوگ فحش قصوں اور سنسنی خیز خبروں میں دلچسپی لینے کے بجائے ٹھوس مسائل میں دلچسپی لینے لگے۔

تعلیم کے میدان میں تعلیم کے میدان میں اخوان نے جو خدمات سرانجام دیں وہ ان کی تمام سرگرمیوں میں سرِفہرست رکھی جا سکتی ہیں۔ اخوان نے متعدد موقعوں پر حکومت کو اسلامی نظامِ تعلیم کی طرف توجہ دلائی۔ انہوں نے تعلیم کے چار مقاصد بیان کیے: صالح نظریہ کی اشاعت، اخلاقِ فاضلہ کا فروغ، ماضی کے ساتھ وابستگی، علمی بنیادوں پر مختلف پہلوؤں میں ماہرین کی تیاری۔ اخوان کی تعلیمی اسکیم کا خلاصہ یہ ہے:

اوّلاً، مستقل اور پائیدار پالیسی وضع کی جائے جو تعلیم کا معیار بلند کرے اور ان تمام اقسام میں وحدت پیدا کرے جو اغراض و مقاصد کے لحاظ سے ہم آہنگ ہیں۔ قوم کی مختلف ثقافتوں کو ایک دوسرے کے قریب کرے اور تعلیم کے ابتدائی مراحل کو اخلاقی تربیت اور پاکیزہ وطنی روح کی تخلیق کے لیے مخصوص کیے۔

ثانیاً، اسلامی تاریخ اور اسلامی تہذیب و تمدّن کی تاریخ پر خصوصی توجہ دی جائے۔

ثالثاً، دینی تعلیم کو تمام تعلیمی مراحل میں بنیادی مضمون کی حیثیت سے پڑھایا جائے۔

رابعاً، لڑکیوں کے تعلیمی نظام اور نصاب پر نظر ثانی کی جائے اور ہر ہر مرحلے پر لڑکوں اور لڑکیوں کے نصاب میں فرق کیا جائے۔

خامساً، ہر ایسے شخص کو تعلیم گاہوں سے دُور رکھا جائے جو فسادِ عقیدہ اور فسادِ اخلاق میں مبتلا ہو۔

سادساً، سائنسی علوم پر پوری پوری توجہ دی جائے اور مغربی فلسفہ اور مغربی سائنس کا امتیاز واضح کر دیا جائے۔

پہلے تو اخوان نے اپنی تعلیمی اسکیموں کو حکومتوں تک پہنچانے پر اکتفا کیا۔ مگر بعد میں انہوں نے اپنی استطاعت کی حد تک انہیں خود نافذ کرنے کی کوشش کی۔ اس غرض کے لیے انہوں نے ایک بورڈ کی تشکیل کی اور لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے علیحدہ علیحدہ ابتدائی اور ثانوی مدارس اور فنی درسگاہیں قائم کیں۔ ناخواندگی کو ختم کرنے اور عوام کی دینی معلومات بڑھانے کے لیے انہوں نے مدارس کھولے۔ حفظِ قرآن کی درسگاہیں جاری کیں۔ مزدوروں اور فلاحین کے لیے شبینہ مدارس جاری کیے۔ امتحانوں میں ناکام ہونے والے طلبہ کے لیے کئی مرکز قائم کیے جن میں یونیورسٹی کے زیر اہتمام کوچنگ کلاسوں کا انتظام تھا۔ کمسن بچے جو مزدوری کی وجہ سے تعلیم سے محروم رہ جاتے تھے ان کی تعلیم و تربیت کے لیے شعبے قائم کیے۔ لڑکوں کی تعلیم کے لیے پرائیویٹ اسکول جاری کیے۔ مدارس امہات المؤمنین کے نام سے لڑکیوں کی تعلیم کا الگ انتظام کیا۔ صنعتی تعلیم کے مراکز قائم کیے۔

الغرض اخوان نے وسیع پیمانے پر تعلیمی مہم کو نافذ کیا۔ ملک بھر میں جہاں جہاں اخوان کی شاخیں تھیں ان میں سے کوئی شاخ ایسی نہ تھی جس کے ماتحت کوئی مدرسہ نہ ہو۔ ان مدارس کی طرف عوام الناس

کا جس قدر رجحان ہوتا تھا اُس کا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے کہ تعلیم بالغان کے ایک مرکز میں ۱۷۳ مزدور بیک وقت تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ان مدارس کی پوری تعداد کا شمار مشکل ہے۔ صرف قاہرہ میں ۱۳ تعلیم گاہیں تھیں جن میں ۱۱ کالج تھے۔

خدمتِ خلق | خدمتِ خلق کے میدان میں کئی پہلوؤں سے اخوان نے حصہ لیا۔ اس کام کو منظم کرنے کے لیے انہوں نے "خدمتِ خلق" کے نام سے ایک مستقل شعبہ قائم کیا۔ یہ کام اخوان تحریک کے ابتدائی مرحلہ میں شروع کر دیا گیا تھا۔ نقراشی پاشا کے زمانے میں جب اخوان کو خلافِ قانون قرار دیا گیا اس وقت مصر کے اندر اخوان کے قائم کردہ خدمتِ خلق کے پانچ سو مراکز تھے جن کی نگرانی ۱۹۴۵ء کے قانون کی رُو سے معاشرتی بہبود کی وزارت کرتی تھی۔ یہ مراکز مستحقین کی اشیاء اور نقدی سے امداد کرتے۔ زکوٰۃ و صدقات اور چرم قربانی کی آمدنی سے حاجتمندوں کی ضروریات فراہم کرتے۔ بے روزگاروں کے لیے روزگار رجہیا کرتے۔ اور بعض اوقات تھوڑے بہت سرمائے سے ان کو کاروبار پر لگاتے۔ بیماروں کا مفت علاج کرتے۔ غرباء کے لیے سستے داموں پر خوراک کا انتظام کرتے۔ مزدوروں کے حلقے میں تعلیم کا بندوبست کرتے۔ دیہاتی آبادی کی اصلاح اور ترقی کے لیے اخوان نے ایک خاص کمیٹی تشکیل کی۔ دیہاتی بستیوں میں غرباء اور فقراء کی مختلف طریقوں سے مدد کی جاتی اور دیہاتی پنچائتوں کے ذریعہ سے مقامی جھگڑوں کا تصفیہ کرایا جاتا

نحاس پاشا کے دور میں الاخوان جب بحال کر دیئے گئے تو انہوں نے دوسرے پروگراموں کے ساتھ خدمت خلق کا ایک بھاری منصوبہ تیار کیا۔ اس کا آغاز قاہرہ میں ایک مسجد، ایک شفاخانہ، ایک لائبریری اور ایک لیکچر ہال کی تاسیس سے ہوا۔ اسی منصوبہ کے تحت ان تمام مساجد کی دیکھ بھال کا انتظام کیا گیا جو غیر آباد پڑی ہوتی تھیں۔ صرف قاہرہ میں ۲۵ مساجد اخوان کے زیرِ انتظام تھیں۔ ان میں سے بعض مساجد کے تمام مصارف وہ خود برداشت کرتے تھے اور بعض مساجد میں وہ صرف امامت اور خطابت کی فی سبیل اللہ خدمت انجام دیتے تھے۔

مزدوروں اور کاشت کاروں کی خدمت کے لیے اخوان کے مرکز میں مستقل شعبہ تھا جو ان کی مشکلات

اور مسائل حل کرتا تھا۔ ایک لیبر سنٹر کھول رکھا تھا جس میں مزدوروں کو ان کے حقوق و فرائض کی تعلیم اور لیبر قوانین کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس شعبے میں قوانینِ عمّال کے ماہر وکلاء کی ایک ٹیم کام کرتی تھی۔ اسی طرح زراعت کے میدان میں بھی اخوان کی عظیم خدمات تھیں۔ ان کا شعبہ زراعت کاشتکاروں کو کاشت کے جدید طریقوں سے آگاہ کرتا اور زرعی پیداوار کو آفات ارضی و سماوی سے محفوظ کرنے کے طریقے انہیں سکھاتا تھا۔ اخوان کو یہ تمام کام اس وجہ سے کرنے پڑتے تھے کہ حکومت کی طرف سے ان امور پر قطعاً کوئی توجہ نہیں دی جا رہی تھی۔ اور دین کی دعوت کے ساتھ یہ خدمات انجام دینے کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ ملک کے تمام طبقے اس دینی تحریک کا وہ گہرا اور وسیع اثر قبول کر رہے تھے جو خالی خولی وعظوں سے وہ قبول نہ کر سکتے تھے۔

معاشرتی خدمات کے لیے بھی ایک مستقل بورڈ کام کرتا تھا جو معاشرتی امور کے ماہرین اور پروفیسروں پر مشتمل تھا اور وہ معاشرتی بہبود کے منصوبوں کی تنفید اور نگرانی کرتا تھا۔ اخوان اپنے آخری ایام میں قاہرہ کے اُس علاقے میں جسے قدیم مصر کہا جاتا ہے، ایک "نمونہ کا شہر" تعمیر کرنے کے منصوبہ کو عملی جامہ پہنا رہے تھے۔ اس غرض کے لیے انہوں نے زمین خرید لی تھی اور یہاں وہ متوسط اور کم آمدنی رکھنے والے لوگوں کے لیے ایک صاف ستھری بستی بنانا چاہتے تھے۔

اقتصادی میدان میں | اقتصادی پہلو میں اخوان کی خدمات تمام پہلوؤں پر حاوی تھیں۔ قومی اقتصادیات کو مضبوط کرنے کے لیے انہوں نے متعدد کمپنیاں قائم کیں جن کا منافع مضاربت کے اصولوں پہ تقسیم ہوتا تھا اور اس منافع میں مزدوروں اور ملازموں کو بھی شریک کیا جاتا تھا۔

۱۔ شرکت معاملاتِ اسلامیہ: چار ہزار پاؤنڈ کے سرمائے سے ۱۹۴۹ء میں اس کا اجرا ہوا۔ اخوان کے باہر کے لوگوں نے بھی اس میں بڑی دلچسپی لی اور چار ہزار پاؤنڈ سے ترقی کرکے اس کا اصل سرمایہ پچیس ہزار پاؤنڈ تک پہنچ گیا۔ اس کمپنی نے کئی عوامی بسیں جاری کیں۔ تیل سے جلنے والے چولھے بنانے کا کارخانہ قائم کیا جن کی مقبولیت نہ صرف مصر کے اندر بلکہ مصر کے باہر بھی ہوئی۔ اس شرکت نے سیمنٹ کی ایک فیکٹری بھی قائم کی۔

۲۔ شرکتِ عربیہ: ۱۹۴۷ء میں ساٹھ ہزار پاؤنڈ کے سرمایے سے اس کا آغاز ہوا۔ یہ کمپنی ہزاروں پونڈ کی مالیت کے سنگ تراشی کے جدید ترین آلات کی درآمد کرتی تھی۔ جب جماعت کو خلافِ قانون قرار دیا گیا تو اس کے ذخائر لاوارث پڑے رہے اور ہزاروں پونڈ کا خسارہ ہوا۔

۳۔ شرکت پارچہ بافی: ۱۹۴۸ء میں ۸ ہزار پاؤنڈ سے اس کمپنی نے کپڑے بنانے کے کارخانے کا افتتاح کیا۔ اس کارخانے میں ۶۰ کاریگر کام کرتے تھے۔ یہ کارخانہ بہترین پاپلین، ریشمی کپڑا، گبرڈین اور دوسرے بہترین پارچات تیار کرتا تھا جو بازار میں نسبتًہ کم داموں پر فروخت ہوتے تھے۔

۴۔ شرکت مطبعۂ اسلامیہ: ۷۰ ہزار پاؤنڈ سے اس کا آغاز ہوا۔

۵۔ شرکت جریدۂ یومیہ: ۵۰ ہزار پاؤنڈ اس کا ابتدائی سرمایہ تھا۔ ۵ مئی ۱۹۴۶ء کو اس کی طرف سے ایک روزنامہ کا اجرا ہوا جس نے جنگ آزادی اور اسلامی تہذیب و ثقافت کی ترویج میں قابلِ قدر کارنامے انجام دیئے۔

۶۔ شرکتِ تجارت و اعمالِ ہندسہ: ۱۴ ہزار پاؤنڈ سے یہ کمپنی شروع ہوئی، انجینئرنگ اور تعمیرات میں اس نے بڑی شہرت حاصل کی۔

۷۔ شرکت تجاریہ: اس کا مرکز قاہرہ میں تھا۔ اور ملک کے مختلف حصوں میں اس کی شاخیں تھیں۔ یہ امداد باہمی کے اصول پر کام کرتی تھی۔ گھریلو ضروریات سستے داموں فراہم کرتی تھی۔

۸۔ ایڈورٹائیزنگ کمپنی۔

یہی حال اخوان کی طبّی خدمات کا ہے۔ صرف قاہرہ میں ۷ شفاخانے تھے۔ اور ایک ہسپتال تھا جس میں مریضوں کو داخل کیا جاتا تھا۔ ان شفاخانوں سے لاکھوں افراد مفت علاج کی سہولتیں حاصل کرتے تھے۔ مختلف امراض کے ماہر اطبّا ان شفاخانوں میں بلا معاوضہ یا قلیل معاوضہ پر خدمات انجام دیتے تھے۔

یہ ہے مختصر بیان دنیائے اسلام کی اُس عظیم دینی تحریک کی خدمات کا جسے مٹانے اور تباہ کرنے کے لیے مصر کے صدر ناصر صاحب ۱۲ سال سے اپنی تمام قوتیں صرف کر رہے ہیں، اور ان سے بڑھ کر مغربی اور اشتراکی استعمار اور اسرائیل جس کے درپے آزار ہے۔

مالیشیا میں اسلامی قانون کا نفاذ

ڈاکٹر احمد بن محمد ابراھیم

[ڈاکٹر احمد ابراہیم سنگاپور کے اٹارنی جنرل ہیں اور اس کے ساتھ مسلم مشاورتی بورڈ سنگاپور کے چیئرمین آل ملایا مسلم مشنری سوسائٹی کے نائب صدر اور سنگاپور یونیورسٹی میں اسلامی قانون کے لیکچرار بھی ہیں۔ انہوں نے مالیشیا میں اسلامی قوانین کے موضوع پر کئی قسطوں میں ایک طویل مضمون سنگاپور کے رسالہ "مسلم ورلڈ لیگ" میں لکھا ہے جس کی ایک قسط کا ملخص ترجمہ ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔]

مالیشیا میں حکومت براہِ راست اس امر میں دلچسپی لیتی ہے کہ مسلمان اسلامی احکام کی پابندی کریں۔ اس سلسلے میں خاص طور پر اسلامی عبادات کے متعلق جو قوانین مالیشیا کی مختلف ریاستوں میں رائج ہیں ان کی مختصر کیفیت یہ ہے۔

۱۔ نمازِ جمعہ: ریاست ہائے سیلانگر (SELANGOR)، پہانگ (PAHANG) اور پیرک (PERAK) میں نماز جمعہ کے متعلق قانون یہ ہے کہ اگر کوئی مرد جس کی عمر پندرہ سال یا اس سے زائد ہو، جمعے کے روز مسجد میں نماز کے لیے حاضر نہ ہوا تو وہ ۲۵ ڈالر تک جرمانے کی سزا کا مستوجب ہوگا،[1] اِلّا یہ کہ اس کی حاضری اسلامی قانون کی رُو سے قابلِ استثناء ہو۔

ریاست کیلانٹن (KELANTAN) کا قانون اس بارے میں یہ ہے کہ اگر کوئی مرد جس کی عمر پندرہ سال یا اس سے زائد ہو اور وہ جمعے کے دن اپنے "مقیم"[2] (MUQIM) کی مسجد میں جہاں وہ رہتا ہو، نماز پڑھنے

---

[1] سیلانگر ایڈمنسٹریشن آف مسلم لا دفعہ ۱۵۰۔ پہانگ ایڈمنسٹریشن آف دی لا آف ریلیجن آف اسلام انیکٹمنٹ دفعہ ۱۴۸۔ پیرک ایڈمنسٹریشن آف مسلم لا انیکٹمنٹ دفعہ ۱۴۸۔ پیرک میں سزا کے جرمانہ کی زیادہ سے زیادہ حد پچاس ڈالر ہے۔

[2] مقامی زبان کا لفظ ہے۔ غالباً اس سے مراد محلہ یا وارڈ ہے۔

نہ جائیے (الّا یہ کہ اسے کسی دوسری مسجد میں نماز پڑھ لینے کی اجازت دے دی گئی ہو) تو وہ پچیس ڈالر تک جرمانہ یا ایک ہفتے کی قید محض یا دونوں سزاؤں کا مستوجب ہوگا۔ اگر کوئی شخص متواتر تین جمعے تک نماز سے غیر حاضر رہتا ہے تو وہ کم از کم ایک سو ڈالر اور زیادہ سے زیادہ ۲۵۰ ڈالر تک جرمانہ یا تین ماہ کی قید یا دونوں سزاؤں کا مستوجب ہوگا۔ جو شخص جس "مقیم" میں مستقلاً رہائش پذیر ہو وہ بالعموم اسی "مقیم" کی مسجد میں نماز کے لیے حاضر ہوگا۔ لیکن اس مسجد کے "امام توا"[1] (IMAM TUA) نے ایسی اجازت دینے سے انکار کر دیا ہو تو مفتی صاحب "مجلس"[2] کی طرف سے اور اس کے نام سے ایسی اجازت دینے کے مجاز ہیں۔

ریاست کیلانٹن کے قانون میں یہ گنجائش بھی موجود ہے کہ مندرجہ ذیل صورتوں میں کسی جرم کا ارتکاب متصور نہیں ہوگا۔

(الف) اگر غیر حاضری بارش کی وجہ سے ہوئی ہو۔

(ب) اگر جائے رہائش کسی مسجد سے تین میل سے زیادہ دُور ہو۔

(ج) اس "مقیم" میں پندرہ سال سے زائد عمر کے باشندوں کی تعداد اس کم سے کم تعداد سے بھی کم ہو جو نماز جمعہ کی فرضیت کے لیے از روئے قانون ضروری ہے۔

(د) بیماری یا جائے رہائش سے غیر حاضری کی بنا پر مسجد میں اس کی حاضری معاف کر دی گئی ہو۔[3]

ریاست ٹرینگانو (TRENGGANU) میں بھی ہر "مکلف" کے لیے (یعنی ایسے مسلم مرد کے لیے جو سن بلوغ کو پہنچ چکا ہو اور جسے کوئی دماغی عارضہ نہ ہو یا بہرہ یا اندھا نہ ہو) قانون وہی ہے جو اوپر کیلانٹن کے سلسلے میں بیان کیا گیا ہے۔ اور یہی پوزیشن ریاستہائے نگری سیمبلن (NEGRI SEMBILAN) ملکا (MALACCA)، پنانگ (PENANG) اور کیدہ (KEDAH) کی بھی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ان ریاستوں کے قوانین میں صرف ۲۵ ڈالر تک جرمانے ہی کی گنجائش رکھی

---

[1] یہ بھی کوئی مقامی اصطلاح ہے جس سے مراد غالباً علاقے کی مسجد کا مستقل امام ہے۔

[2] کیلانٹن کونسل آف ریلیجن اینڈ ملائے کسٹم انیکٹمنٹ دفعہ ۶۰۔

گئی ہے۔[1]

ریاست پرلس (PERLIS) میں عمر کی حد پندرہ کے بجائے اٹھارہ سال ہے۔ باقی قانونی پوزیشن وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔[2]

۲۔ رمضان: ریاست ہائے سیلانگر، ٹرینگانو، ملکا، اور پینانگ میں صیام رمضان کے متعلق قانون یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان ماہ رمضان المبارک میں دن کے اوقات میں کھانے پینے کی کوئی چیز یا تمباکو فوری استعمال کے لیے خریدتا ہے، یا کسی مسلمان کے ہاتھ فوری استعمال کے لیے فروخت کرتا ہے، تو اسے پچیس ڈالر تک کی سزائے جرمانہ ہو سکتی ہے دوسری مرتبہ، یا اس کے بعد ہر مرتبہ ارتکاب جرم پر وہ پچاس ڈالر تک کی سزا کا مستحق ہوگا۔ کیلانٹن میں اس جرم کی سزا پہلی مرتبہ ارتکاب پر پچاس ڈالر تک جرمانہ یا دو ہفتے تک کی سزائے قید، اور دوسری مرتبہ یا اس کے بعد ہر مرتبہ ارتکاب جرم پر ۱۰۰ ڈالر تک جرمانہ یا ایک ماہ تک کی سزائے قید۔

اگر کسی شخص نے کوئی چیز کسی دوسرے شخص کے اجیر کی حیثیت سے فروخت کی ہو، جس فروخت سے اس قانون کی خلاف ورزی ہوئی ہو، تو اس کے آجر کے متعلق بھی قانوناً یہ تصور کیا جائے گا کہ اس نے اس جرم کی انگیخت کی، الا یہ کہ وہ ثابت کر دے کہ یہ جرم اس کے حکم، علم یا مرضی کے بغیر سرزد ہوا ہے، اور یہ کہ اس نے اس کے ارتکاب کو روکنے کی ہر ممکن تدبیر کی تھی۔ آجر اگر یہ ثابت نہ کر سکے تو اسے اس انگیخت کی بھی وہی سزا دی جائے گی جو اصل مجرم کے لیے قانون میں مقرر ہے۔[3]

۱؎ ٹرینگانو ایڈمنسٹریشن آف اسلامک لا اینکٹمنٹ، دفعہ ۱۲۹، نیگری سمبیلین اسلامی قانون، دفعہ ۱۴۲۔ ملکا اسلامی قانون، دفعہ ۱۴۱۔ پینانگ اسلامی قانون، دفعہ ۱۴۲۔ کیدہ اسلامی قانون، دفعہ ۱۴۳۔

۲؎ پرلس اسلامی قانون، دفعہ ۱۱۱

۳؎ سیلانگر کے اسلامی قانون کی دفعہ ۱۵۲ اور ۱۵۳۔ کیلانٹن کے اسلامی قانون اور ملائے کسٹم دفعہ ۶۲ و ۶۳۔ ٹرینگانو کے اسلامی قانون کی دفعہ ۱۳۱ اور ۱۳۲۔ ملکا کے اسلامی قانون کی دفعات ۱۴۲ اور ۱۴۵۔ پینانگ کے اسلامی قانون کی دفعہ ۱۴۵ و ۱۴۷

ریاست پہانگ میں قانون یہ ہے کہ اگر مسلمان جسے روزہ چھوڑنے کی اجازت نہ ہو ماہ رمضان میں دن کے اوقات میں فوری استعمال کے لیے کھانے پینے کی کوئی چیز یا تمباکو یا کوئی دوسری چیز خریدتا ہے، یا کسی مسلمان کے ہاتھ فوری استعمال کے لیے فروخت کرتا ہے، یا کسی دکان یا کسی دوسری عام جگہ پر ایسی کوئی چیز استعمال کرتا ہے، تو اسے پہلی سزایابی کی صورت میں پچیس ڈالر تک جرمانے کی سزا ہوگی اور دوسری یا اس کے بعد کی سزایابی پر پچاس ڈالر تک جرمانے کی سزا ہوگی۔ ایسے فروخت کنندہ کے آجر کو بھی جرم کی انگیخت کی بنا پر اسی قدر سزا دی جاسکے گی۔[1]

ریاست نیگری سمبیلن کے قانون میں درج ہے کہ اگر کوئی مسلمان ماہ رمضان کے دوران دن کے اوقات میں کھانے یا پینے کی کوئی چیز یا تمباکو استعمال کرتا ہے تو وہ ایسے جرم کا مرتکب ہوگا جس کی سزا پچیس ڈالر تک جرمانہ، اور دوسری یا اس کے بعد کی سزایابی پر پچاس ڈالر تک جرمانہ کی سزا ہوگی۔[2]

ریاست کیدہ میں ماہ رمضان کے دوران دن کے اوقات میں کسی مسلمان کا کسی دوسرے مسلمان کے ہاتھ کھانے پینے کی کوئی چیز یا تمباکو فوری استعمال کے لیے بیچنا یا کسی مسلمان کا (جس پر روزہ رکھنا فرض ہو) دن کے اوقات میں ماہ رمضان کے دوران کھلے بندوں ایسی کسی چیز کا استعمال کرنا جرم متصور ہوتا ہے۔ اس کے ارتکاب اور انگیخت کی سزا وہی ہے جو اوپر مذکور رہی ہے۔[3]

گویا کیدہ میں کھانے پینے کی کسی چیز یا تمباکو کے خریدنے کو جرم قرار دیا گیا۔

ریاست پیرک میں ماہ رمضان کے دوران دن کے اوقات میں کسی مسلمان کے کھانے پینے کی چیزیں فوری استعمال کے لیے خریدنے یا کسی مسلمان کے ہاتھ فوری استعمال کے لیے بیچنے کی سزا پچاس ڈالر تک جرمانہ یا ایک ہفتہ تک قید ہو سکتی ہے۔ دوسری مرتبہ ارتکابِ جرم پر یہ سزا سو ڈالر تک جرمانہ یا پندرہ روز تک کی قید ہو سکتی ہے۔ اگر کوئی مسلمان اسلامی قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ماہ رمضان میں

---

[1] پہانگ کے مذہبِ اسلام کے قانون کی دفعہ ۱۵۰۔

[2] نیگری سمبیلن کے اسلامی قانون کی دفعہ ۱۴۴۔ دفعہ ۱۴۶ میں فروخت کی انگیخت کا حوالہ ہے لیکن دفعہ ۱۴۴ کی رُو سے ماہ رمضان کے دوران کسی مسلمان کے ہاتھ ایسی کوئی چیز فروخت کرنا بجائے خود جرم نہیں ہے۔

[3] کیدہ کے اسلامی قانون کی دفعہ ۱۴۵ و ۱۴۶

دن کے اوقات میں کھانے کی کوئی چیز استعمال کرے یا کسی قسم کا پانی پیے یا تمبا کو نوشی کرے تو اسے پہلی مرتبہ ارتکابِ جرم پر پچاس ڈالر تک کی سزائے جرمانہ ہو سکتی ہے۔ دوسری مرتبہ یا اس کے بعد ہر ارتکابِ جرم پر ایک سو ڈالر تک جرمانہ یا پندرہ دنوں تک کی قید یا دونوں سزائیں دی جا سکتی ہیں۔ اگر خلافِ قانون طور پر کھانے پینے کی کوئی چیز فروخت کرنے والا اجیر ہو تو اس کے آجر کو انگیخت کے الزام میں وہی سزا دی جا سکتی ہے جو اصل جرم کرنے والے کو، الّا یہ کہ آجر ثابت کر دے کہ جرم کا ارتکاب اس کے حکم، علم یا مرضی کے بغیر سرزد ہوا اور یہ کہ اس نے جرم کے ارتکاب کو روکنے کے لیے ہر ممکن تدبیر اختیار کی تھی[1]۔

ریاست پرلس کے قانون میں یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان جسے ماہِ رمضان کے دوران روزہ نہ رکھنے کی اجازت نہیں ہے، روزے کے اوقات میں کھانے پینے کی کوئی چیز استعمال کرتا ہے یا تمباکو نوشی کرتا ہے تو اسے پچیس ڈالر تک جرمانہ کی سزا اور دوسری مرتبہ ارتکابِ جرم پر یا اس کے بعد پچاس ڈالر تک جرمانہ کی سزا ہو سکتی ہے[2]۔

۳۔ زکوٰۃ اور فطرہ: شافعی مذہب کے مطابق، جو ملایا کا سرکاری مذہب ہے، زکوٰۃ کی ادائیگی صرف مسلمان کے لیے فرض ہے اور مندرجہ ذیل قسم کے اموال پر زکوٰۃ واجب الادا ہے۔

(۱) اجناس خوردنی (۲) پھل مثلاً انگور، کھجور وغیرہ (۳) مویشی۔ اونٹ، گائے، بھینس اور بھیڑ بکریاں وغیرہ (۴) سونا چاندی (۵) تجارتی اموال۔

پہلی دو قسم کے اموال پر زکوٰۃ فصل اٹھاتے وقت فوراً ادا کی جانی چاہیے، اور باقی تین قسم کے اموال اگر بقدرِ نصاب ایک شخص کے قبضے میں ایک سال تک رہیں تب زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

فطرہ اجناس کا ایسا صدقہ ہے جو ماہِ رمضان کے اختتام پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت

---

[1] پیرک کے اسلامی قانون کی دفعہ ۱۵۰/۱۴۹

[2] پرلس کے اسلامی قانون کی دفعہ ۱۱۳۔

کے مطابق ادا کیا جاتا ہے۔ یہ صدقہ واجب ہے اور ہر آزاد مسلمان کو اپنی طرف سے اور اپنے زیر کفالت تمام افراد کی طرف سے دینا چاہیئے۔

شافعی مذہب کے مطابق اس بات کی اجازت ہے کہ زکوٰۃ اور فطرہ براہ راست ایسے افراد کو دے دیا جائے جو اس کے مستحق ہوں، لیکن بہتر یہ ہے کہ یہ مسلمان حکرانوں کو ادا کیا جائے تاکہ اس کی تقسیم ایک باقاعدہ نظام کے تحت ہو۔

ملایا کی ریاستوں نے اپنے ہاں زکوٰۃ اور فطرہ کی تحصیل کا باقاعدہ انتظام کر رکھا ہے۔ ان ریاستوں نے تقریباً پچاس سال قبل زکوٰۃ کی فراہمی کا بندوبست شروع کیا تھا۔ سب سے پہلے جس ریاست نے اس کام کو سرکاری انتظام میں لیا وہ ٹرنیگانو کی ریاست تھی۔ جب وہاں کے محکمۂ امورِ مذہبی نے منتری بیسار (MENTRI BESAR) کے براہِ راست احکام کے تحت ان اموال کی تحصیل اور تقسیم کا کام شروع کیا۔ اس کے بعد ۱۹۱۵ء میں کیلانٹن کی ریاست نے، پھر ۱۹۳۰ء میں پرلس کی ریاست نے، پھر ۱۹۳۴ء میں ریاست جوہور (JOHORE) نے اور پھر ۱۹۳۶ء میں ریاست کیدہ نے یہ کام شروع کیا۔ ملایا کی ریاستوں کے وفاق میں شامل ریاستوں کو وصولیٔ زکوٰۃ کا نظام شروع کیے دس سال سے کم عرصہ گزرا ہے۔ سب سے آخری ریاست جس نے یہ طریقہ اختیار کیا نیگری سمبیلن ہے جہاں ۱۹۵۷ء سے اس کام کا آغاز ہوا ہے۔

ریاست سیلانگر میں قانون یہ ہے کہ "مجلس اوگاما اسلام دان عادات استعادت اسلام" (MAJLIS UGAMA ISLAM DAN ADAT IST'IADAT ISLAM) کو حکمران کی طرف سے ریاست میں زکوٰۃ اور فطرہ کی وصولی کا اختیار ہوگا، اور اس کام کی انجام دہی مجلس کے فرائض میں سے ہے۔

نیز مجلس کا یہ کام بھی ہوگا کہ وہ زکوٰۃ اور فطرہ کو اپنی صوابدید کے مطابق حکمران کی منظوری سے تقسیم کرے۔ مجلس کو یہ اختیار بھی دیا گیا ہے کہ وہ حکمران کی منظوری سے زکوٰۃ اور فطرہ کی وصولی، انتظام اور تقسیم کے لیے قواعد بنائے۔ ان قواعد کے ذریعہ واجب الادا زکوٰۃ اور فطرہ کی مقدار کا تعین، وصولی کا طریقہ، اور محصلوں کے تقرر کا طریقہ طے کیا جا سکتا ہے۔ نیز ان قواعد کی رُو سے

غیر مجاز لوگوں کو زکوٰۃ اور فطرہ وصول کرنے یا غیر مجاز لوگوں کو ادا کرنے کی سزا بھی مقرر کی جاسکتی ہے۔ نا روا طریقے سے زکوٰۃ یا فطرہ کی رقم عائد کیے جانے کے خلاف مجلس کے سامنے اعتراض بھی پیش کیا جاسکتا ہے اور مجلس ایسے اعتراضات کی سماعت کے بعد مناسب احکام دے سکتی ہے۔ ان امور میں مجلس کا حکم آخری حکم ہوگا جسے کسی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔ اس حکم کی خلاف ورزی کرنے والے یا اس کی خلاف ورزی کی انگیخت کرنے والے کو سات دن کی قید یا ایک سو ڈالر تک جرمانہ کی سزا دی جاسکتی ہے

زکوٰۃ یا فطرہ بصورتِ اجناس یا نقد کی وصولی اس طرح ہوسکتی ہے کہ گویا اجناس یا نقد کی مجلس کو ادائیگی ایک عدالتِ مجاز کے قانونی حکم کے ذریعے سے ہوئی ہے[1]

ریاست پیرک میں بھی اسی طرح ایک مجلس زکوٰۃ اور فطرہ کی وصولی کے لیے بنائی گئی ہے لیکن اس مجلس کو وصولی کا اختیار اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک یہ مجلس اس بارے میں ایک قرارداد منظور کر کے اس پر حکمران کی منظوری حاصل نہ کرلے۔ مجلس کو قواعد سازی کے اختیارات ہیں۔ یہ مجلس زکوٰۃ اور فطرہ ادا کرنے والوں کے اعتراضات سُن کر قابلِ وصول رقم کو گھٹا سکتی ہے۔ اس کے حکم کی خلاف ورزی پر سات دن تک کی قید اور ایک سو ڈالر تک جرمانے کی سزا ہوسکتی ہے۔ اگر کوئی صاحبِ نصاب کسی ایسے شخص کو جو عامل نہ ہو زکوٰۃ کی ادائیگی کرے یا کوئی شخص جو عامل نہ ہو ایسی وصولی کرے تو اسے سزا یابی پر چھ ماہ تک کی قید یا پانچ سو ڈالر تک جرمانہ ہوسکتا ہے۔ اور دوسری سزا یابی پر دونوں سزائیں دی جاسکتی ہیں۔ اگر کوئی عامل زکوٰۃ یا فطرہ وصول کرنے کے بعد جمع نہ کرائے تو اسے سزا یابی پر چھ ماہ تک قید یا پانچ سو ڈالر تک جرمانے کی سزا ہوسکتی ہے۔ قانون میں یہ صراحت بھی ہے کہ جو شخص کسی طرح سے، تحریری طور پر یا زبانی یا کسی اور ذریعہ سے کسی دوسرے شخص کو زکوٰۃ یا فطرہ کی ادائیگی سے روکے یا عدم ادائیگی پر اکسائے تو وہ ایسے جرم کا مرتکب ہوگا جس کی سزا ایک سال قید تک یا ایک ہزار ڈالر جرمانے تک ہوسکتی ہے یا دونوں سزائیں بھی دی جاسکتی ہیں[2]

---

[1] سیلانگر کے اسلامی قانون کی دفعات ۱۰۷ تا ۱۰۹ اور ۱۷۳ بعد ترمیم بذریعہ ترمیمی قانون مجریہ ۱۹۶۰ء (نمبر ۷ سال ۱۹۶۰ء)

[2] اسلامی قانون کی دفعات ۱۰۵ تا ۱۰۷، ۱۷۶ تا ۱۷۸ (۲)۔

نیگری سیمبیلن اور پہانگ ریاستوں میں بھی یہی قانونی پوزیشن ہے۔ دونوں ریاستوں میں مجلسیں قائم ہیں جنہیں کم و بیش وہی اختیارات حاصل ہیں جو سیلانگر کی مجلس کو حاصل ہیں[1]

کیلانٹن میں بھی سیلانگر کی طرح اور اسی نام سے مجلس قائم ہے اور اس کو وہی اختیارات حاصل ہیں۔ مزید براں کیلانٹن کے قانون میں یہ درج ہے کہ ہر مسلمان جو وہاں کاشت کرتا ہو اور جس کی کل پیداوار ۲۷۵ گنتانگ سے کم نہ ہو وہ اسلامی قانون کے مطابق دس فیصدی زکوٰۃ (عشر) ادا کرے۔ مویشی پر شرح زکوٰۃ یہ ہے:

۳۰ تا ۳۹ راس مواشی پر	ایک سال کا بچھڑا
۴۰ تا ۵۹ 〃 〃 پر	دو سال کا بچھڑا
۶۰ تا ۶۹ 〃 〃 پر	ایک سال کی عمر کے دو بچھڑے

اس سے زائد مواشی پر زکوٰۃ اس طرح محسوب ہو گی کہ ہر تیس پر ایک سال کا ایک بچھڑا اور ہر چالیس پر دو سال کا ایک بچھڑا۔

چاندی سونے وغیرہ پر زکوٰۃ کی شرح حسب ذیل ہے:

(ا) سونے پر جب کل سونا ۲۰ مثقال یا اس سے زائد ہو بحساب ۲½ فیصدی

(ب) چاندی پر جب کل چاندی ۲۰۰ درہم یا اس سے زائد ہو بحساب ڈھائی فیصدی۔

(ج) تجارتی اموال پر جب کہ کل اموال کی مالیت ۲۵ ر ۲۰۲ ڈالر یا اس سے زائد ہو بحساب ڈھائی فیصدی

(د) سونے یا چاندی کے دفینے کی دریافت پر بحساب ۲۰ فیصد[2]۔

ریاست ٹرینگانو میں قانون یہ ہے کہ محکمہ امورِ مذہبی کو اختیار رہے اور یہ اس کے فرائض میں سے ہے کہ وہ حکمران کی طرف سے اسلامی قانون کے مطابق زکوٰۃ اور فطرہ وصول کرے اور وصول شدہ رقم

---

[1] نیگری سیمبیلن اسلامی قانون کی دفعات ۱۰۲ تا ۱۰۴ اور ۱۶۶۔ پہانگ قانونِ اسلام کی دفعات ۱۰۲ تا ۱۰۴ اور ۱۷۲، ۱۷۳۔

[2] کیلانٹن کونسل آف ریلیجن اینڈ ملائے کسٹم انیکٹمنٹ دفعات ۴۳ تا ۴۴ اور ۷۵، ۷۶

کو اس طرح استعمال کرے جس طرح حکمران مجلس کی مدد اور مشورے سے طے کر دے۔ مذہبی امور کا کمشنر زکوٰۃ اور فطرے کا کنٹرولر ہوگا اور وہ حسبِ ضرورت ڈپٹی کنٹرولر، کلکٹر اور اسسٹنٹ کلکٹر مقرر کر سکے گا۔ کلکٹر اور اسسٹنٹ کلکٹر ہر "مقیم مسجد" (یعنی مسجد کے زیر اثر علاقے) کے لیے تشخیصِ زکوٰۃ کی الگ فہرستیں تیار کریں گے اور ڈپٹی کنٹرولر کی معرفت کمشنر کو ارسال کریں گے۔ کوئی شخص کمشنر کے پاس اس فہرست کے خلاف اعتراض کر سکتا ہے۔ کمشنر اعتراضات کی سماعت کے بعد ان پر انصاف کے مطابق فیصلہ کرے گا۔ اس فیصلے کے خلاف حکمران کے پاس اپیل کی جا سکے گی بشرطیکہ معاملۂ زیرِ فیصلہ کی مالیت زائد از ایک سو ڈالر ہو۔ اگر کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو زکوٰۃ یا فطرے کی عدم ادائیگی کی ترغیب دیتا ہو یا اکساتا ہو تو اسے چودہ دن تک کی قید یا پچاس ڈالر تک جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جا سکتی ہیں[1]۔

ریاست کیدہ میں زکوٰۃ کے قانون مجریہ ۱۹۵۵ء کی رو سے ایک زکوٰۃ کمیٹی بنائی گئی ہے، جو ایک چیئرمین، ایک سکرٹری، ایک خزانچی اور کم از کم آٹھ دوسرے ارکان پر مشتمل ہے۔ ان میں کم از کم نصف حاضر ارکان ایسے مسلمان ہونگے جو زکوٰۃ کے قانون کے ماہر ہوں۔ اس زکوٰۃ کمیٹی کا فرض ہوگا کہ وہ اسلامی قانون کے مطابق زکوٰۃ کی فراہمی، انتظام، اور ادائیگی کا بندوبست کرے۔ یہ کمیٹی حکمران کی اجازت سے ایک ریزرو فنڈ قائم کر سکتی ہے اور اس فنڈ کو کسی وقت کسی ایسے مقصد کے لیے استعمال کر سکتی ہے جس کی اسلامی قانون میں اجازت دی گئی ہو۔ یہ کمیٹی قواعد بنا سکتی ہے، اور کسی قاعدے کی خلاف ورزی پر ایک سو ڈالر تک جرمانے کی سزا مقرر کر سکتی ہے، اور کسی قاعدے کی مسلسل خلاف ورزی پر مزید جرمانہ آغازِ خلاف ورزی سے ۵ ڈالر تک فی یوم کے حساب سے، یا چھ ماہ تک قید کی سزا مقرر کر سکتی ہے[2]۔

ریاست ملکا اور پینانگ میں بھی زکوٰۃ اور فطرے کی فراہمی اور ادائیگی کے لیے مجلس قائم کی گئی ہے جس کو قواعد سازی کے اختیارات بھی ہیں اور ان قواعد کی خلاف ورزی کرنے والوں کے لیے جرمانے

---

[1] ٹرینگانو کے اسلامی قانون کی دفعات ۷۲ تا ۸۰ اور ۱۵۲، ۱۵۳

[2] کیدہ زکوٰۃ ایکٹمنٹ ۴، ۱۳۷۴ھ (۱۹۵۵ء)، قانون نمبر ۴ سال ۱۳۷۴ھ) بعد ترمیم بذریعہ ترمیمی ایکٹ زکوٰۃ مجریہ ۱۹۶۲ء۔

یا قید کی سزا مقرر کرنے کا اختیار بھی حاصل ہے۔

۴۔ آغازِ رمضان اور عید

رویتِ ہلال | ریاست ہائے سیلانگر، پہانگ، نیگری سیمبیلن، ملکا، پینانگ، کیدہ، پرلس اور پیرک میں آغاز رمضان اور عیدین کے سلسلے میں قانون یہ ہے کہ اگر کوئی شخص حکمران کے قانونی حکم بسلسلہ آغاز رمضان یا عیدین کی نافرمانی کرے تو اسے پچیس ڈالر جرمانے کی سزا ہو سکتی ہے۔ پیرک میں پچاس ڈالر تک جرمانے کی سزا یا پندرہ دن تک قید کی سزا ہو سکتی ہے[1]۔

ٹرنگانو میں قانونی صورت یہ ہے کہ چیف قاضی کا فرض ہوگا کہ وہ رویتِ ہلال کی تحقیقات کرے اور چاند نظر آنے کی توثیق کرے۔ یہ تصدیق نامہ مفتی کو بھیجا جائے گا۔ چیف قاضی نے چاند کے نظر آنے کی جو تاریخ تصدیق کر دی ہو وہ اس سے پہلے چاند نظر نہ آنے کا ایک ناقابلِ تردید قانونی مفروضہ ہوگا[2]۔

---

[1] سیلانگر کے اسلامی قانون کے آرڈی نینس کی دفعہ ۱۵۳، پہانگ، دفعہ ۱۵۲، نیگری سیمبیلن، دفعہ ۱۲۵، ملکا، دفعہ ۱۴۴، پینانگ، دفعہ ۱۴۶، کیدہ، دفعہ ۱۴۷، پرلس، دفعہ ۱۱۴۔

[2] ٹرنگانو کے اسلامی قانون کی دفعہ ۱۵۷۔

شمالی نائیجیریا سے ایک خط

[ذیل میں ہم ایک خط درج کر رہے ہیں جو شمالی نائیجیریا سے ایک پاکستانی استاد نے ہم کو لکھا ہے۔ اس سے وہ حقیقی صورت حال لوگوں کے سامنے آجائے گی جو نائیجیریا میں اس وقت اسلام اور مسلمانوں کو درپیش ہے]

میں اس خط میں بہت مختصر طور پر نائیجیریا (خصوصاً شمالی نائیجیریا) کے مسلمانوں کے حالات و مسائل بیان کر رہا ہوں (اور جو ان کے حل میری سمجھ میں آتے ہیں وہ بھی عرض کر رہا ہوں)۔ اس کے بعد آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ اپنی عالمانہ رائے سے مستفید فرمائیں اور بتائیں کہ ان حالات میں ان لوگوں کی اصلاح کے لیے کیا طریق کار مناسب ہے۔

کہنے کو تو شمالی نائیجیریا میں ۷۰ فیصدی مسلمان ہیں لیکن عیسائی مشنریوں کی سالہا سال کی کوششوں اور مسلمانوں کی سالہا سال کی پسماندگی و غفلت کا نتیجہ یہ ہے کہ درحقیقت اب شمال میں جہاں تک میں اندازہ کر سکا ہوں، ۶۰ فیصدی سے زیادہ مسلمان نہیں رہ گئے ہیں اور جس تیزی سے تبدیلِ مذہب کا سلسلہ جاری ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بیس سال میں مسلمانوں کا صرف تیس فیصدی رہ جانا کوئی تعجب کی بات نہ ہوگی۔ عیسائی مشنریوں کی جہاں اور چالیں ہیں وہاں ایک چال یہ بھی ہے کہ برابر اخباروں اور کتابوں میں یہ اعلان کرتے رہتے ہیں کہ شمالی نائیجیریا میں ان کو کامیابی نہیں ہو رہی ہے تاکہ مسلمان ہوشیار نہ ہو جائیں۔

غیر ملکی مشنری اداروں کی تعداد اکیس ہے جن میں امریکہ، برطانیہ، ہالینڈ اور فرانس کے ادارے خصوصاً بڑے پیمانے پر کام کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ مقامی اداروں کی تعداد بھی بہت ہے۔ ان اداروں کی شاخیں ملک کے کونے کونے میں ہیں اور ان کے تین خاص حربے ہیں جو مندرجۂ ذیل ہیں۔

۱۔ اسپتال جن میں مریضوں کا علاج مفت یا بہت معمولی رقم کے عوض کیا جاتا ہے لیکن مریض کو

دوا کے ساتھ عیسائیت کی گولیاں بھی دی جاتی ہیں۔

۲- بک شاپ۔ یہ دکانیں ملک کے گوشے گوشے میں ہیں۔ ان کا خاص مقصد عیسائیت پر لٹریچر فروخت کرنا ہے۔ لیکن ان دوکانوں پر ضرورت کی اور چیزیں بھی فروخت ہوتی ہیں جو نفع حاصل ہوتا ہے وہ تبلیغ کے کام میں لگایا جاتا ہے۔

۳- اسکول۔ سینیر، جونیر، پرائمری اور سکنڈری اسکول اور ٹریننگ کالج ملک کے کونے کونے میں قائم ہیں جن کا واحد مقصد مسلمان بچوں کو عیسائی بنانا ہے۔

مدارس کی تعداد حسبِ ذیل ہے جس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ یہ لوگ کس پیمانے پر مسلمان بچوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔

	اسکولوں کی کل تعداد	سرکاری اسکول	عیسائی مشنری اسکول	اسلامیہ سکول
سینیر پرائمری اور جونیر پرائمری سکول	۲۶۰۷	۱۴۶۶	۱۱۲۹	۱۲
۲- سکنڈری سکول	۷۷	۳۵	۳۵	-
۳- ٹیچرس ٹریننگ سکول	۵۵	۲۷	۲۸	-

مشنری اسکولوں کا تو خیر مقصد ہی تبلیغ عیسائیت ہے۔ لیکن سرکاری اسکول جو لوکل ایجوکیشن اتھارٹی کے ماتحت قائم ہیں، ان میں سے بھی ستر فیصدی اسکول عیسائیوں کے زیرِ انتظام ہیں۔ لوکل ایجوکیشن بورڈ کے نوے فیصد ممبر عیسائی ہیں جو مقامی اسکولوں پر پورا اختیار رکھتے ہیں اور اساتذہ کے تقرر کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ اسی فیصدی اساتذہ عیسائی ہیں اور ہر عیسائی استاد عیسائیت کی تبلیغ اپنا فرض سمجھتا ہے۔ دوسری طرف مسلمان اساتذہ کا حال یہ ہے کہ ان کی مذہبی معلومات بہت محدود ہوتی ہیں، دین کی خدمت کا کوئی جذبہ نہیں رکھتے اور اسلام کے بارے میں ایک لفظ کہنا پسند نہیں کرتے۔ محکمہ تعلیم میں ہونے کی وجہ سے مجھے ایسے سینکڑوں طلبہ سے گفتگو کرنے کا موقع ملا ہے جن کے والدین مسلمان ہیں اور جنہوں نے مشنری اسکولوں میں تعلیم پائی ہے۔ ان میں نوے فیصدی طلبا عیسائی ہو چکے ہیں۔ دس فیصدی ایسے ہیں جن کے دلوں میں

اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا ہو چکے ہیں اور گو وہ عیسائی نہیں ہوئے لیکن مسلمان بھی برائے نام ہیں۔

دین کے نقطۂ نظر سے یہاں کے مسلمانوں کو تین طبقوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ سب سے بڑی تعداد (تقریباً ستر فیصدی) ان مسلمانوں کی ہے جو چھوٹے چھوٹے دیہاتوں میں رہتے ہیں اور صرف برائے نام مسلمان ہیں۔ اکثر کلمے تک سے واقف نہیں۔ مشنری لوگ ان مسلمانوں کو تعلیم کے مادی فائدے سمجھا کر ان کے بچوں کو اسکولوں میں داخل کر لیتے ہیں اور پھر یہ ناممکن ہے کہ وہ بچے تعلیم مکمل کرنے کے بعد مسلمان رہ جائیں۔ کیونکہ گھر پر اسلامی ماحول جو اسکول کے اثرات کو زائل کر سکتا ہو موجود نہیں۔

۲۔ دوسری قسم کے لوگوں میں چھوٹے موٹے زمیندار، نوکر پیشہ، تجارت پیشہ لوگ شامل ہیں۔ یہ لوگ دین سے تھوڑے سے بہت واقف ہیں اور یہ نہیں چاہتے کہ ان کے بچے عیسائی ہو جائیں۔ لیکن دنیوی فوائد کے پیشِ نظر بچوں کو اسکول بھیجنا بھی ضروری سمجھتے ہیں اور اسکول، جیسا کہ میں ابھی بتا چکا ہوں، چاہے وہ مشنری اسکول ہوں یا لوکل ایجوکیشن اتھارٹی کے، عیسائیت کی تعلیم کسی نہ کسی طرح ضرور دیتے ہیں۔ اس لیے ان کے بچے بھی عیسائیت کے اثر سے کسی طرح بچ نہیں سکتے۔ عیسائی نہ بھی ہوں تو اسلام سے متنفر ضرور ہو جاتے ہیں۔ میں جس اسکول میں پڑھاتا ہوں اس میں بہت سے ایسے لڑکے ہیں جو عیسائی ہو چکے ہیں لیکن اپنے والدین پر انھوں نے اس کا اظہار نہیں کیا۔

۳۔ تیسرا طبقہ (جو تین فیصدی سے زیادہ نہیں) ایسے مسلمانوں کا ہے جو دین کے معاملے میں بہت محتاط ہیں اور اپنے بچوں کو عربی مدارس میں بھیجتے ہیں۔ ان عربی مدارس کی تعداد پورے شمالی نائجیریا میں پانچ سے زیادہ نہیں ہے۔ مکتب البتہ بہت ہیں جن میں قرآن مجید کی تعلیم ناظرہ تک محدود ہے۔ ان مسلمانوں کا خیال یہ ہے کہ عربی اور اسلام ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ ان عربی مدارس میں دنیاوی مضامین کی تعلیم نہیں ہوتی۔ ان مدارس سے فارغ ہونے والے طلبہ محض پیشہ ور مولوی قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ نہ ان میں دین کی خدمت کا جذبہ ہوتا ہے اور نہ صلاحیت۔ یہی لوگ سکنڈری سکولوں کے طلبہ کو دینیات پڑھانے کے لیے بھیجے جاتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں عیسائی مذہب کی تعلیم دینے والے اساتذہ اپنے دین کو عقلی دلائل کے ساتھ

پیش کرتے ہیں۔ یہ مولوی صاحبان دینیات اس انداز سے پڑھاتے ہیں کہ سکنڈری اسکول کے طلبہ یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ اسلام محض ایک تحکمی اور اذعانی دین ہے جو چاہتا ہے کہ اس کے چند عقائد آنکھیں بند کر کے مان لیے جائیں۔ نیز یہ کہ دین اور دنیا دو الگ الگ چیزیں ہیں، دین ایک پرائیویٹ اور انفرادی چیز ہے اور وہ نماز، روزہ، حج اور زکاۃ تک محدود ہے۔ سکنڈری سکولوں کے یہی مسلمان طلبہ ملک کے مستقبل کے لیڈر ہیں۔

مسلمان کسی عمر کے بھی ہوں، احساس کمتری میں مبتلا ہیں اور اسلام کے بارے میں ان کا رویّہ معذرت پسندانہ (APOLOGETIC) ہے۔ کسی مسلمان سے آپ پوچھیے "تم مسلمان ہو؟" وہ ایک کھسیانی سی ہنسی ہنسے گا اور بہت شرمندگی کے ساتھ کہے گا "جی ہاں"۔ ایسے مسلمان شاید دو فیصد بھی نہ ہوں گے جو اپنے مسلمان ہونے پر فخر کریں۔ اسلام پر کوئی اعتراض کرتا ہے تو ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہوتا۔ ان کے نزدیک نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور چند رسوم کے علاوہ اسلام کچھ نہیں۔ سرکاری اور غیر سرکاری مدارس میں تاریخ کی جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں وہ سب اسلام کے خلاف زہر اگلتی ہیں، لیکن آج تک کسی نے آواز نہ اٹھائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مختلف رسائل میں بڑے توہین آمیز مضامین نکلے ہیں اور نکلتے رہتے ہیں، لیکن مسلمانوں کا جذبۂ حمیت کبھی جوش میں نہیں آیا۔ تاریخ اسلام ثانوی مدارس کے کورس سے نکال دی گئی، لیکن کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ ابھی چند روز ہوئے یہاں ایک طوائف و رقاصہ پرنسس ایلینہ شیریں آئی تھی۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسی باتیں کہی تھیں (جو اخبار میں بھی شائع ہوئی تھیں)، کہ جنہیں پڑھ کر ممکن نہ تھا کہ غیرت مند مسلمان کا خون نہ کھول جاتا۔ لیکن یہاں اس کا کوئی ردِّعمل نہ ہوا۔

مَیں مسلمانوں کے اس رویّے سے یہ سمجھتا ہوں کہ ایک طرف اسلام سے ناواقفیت اور دوسری طرف عیسائیوں کی دنیوی ترقی اور غلبہ نے ان کی خود اعتمادی ختم کر دی ہے، ان کے ایمان کمزور کر دیئے ہیں اور یہ اپنے آپ کو خود ذلیل و کمتر سمجھنے لگے ہیں۔ ان کے پاس کوئی لٹریچر نہیں ہے جو مقابلہ کے لیے پیش کر سکیں۔ گھر پر اسلامی ماحول نہیں ہے اور اسکولوں میں اسلام کو مسخ کر کے پیش کیا جاتا ہے۔

عیسائیت کے فتنے کے علاوہ ایک دوسرا فتنہ مغربیت کا ہے جس کے بارے میں تفصیل بیان کرنا بیکار ہے۔ اس فتنے سے آپ خوب واقف ہیں اور اس کے خلاف آپ عرصے سے جہاد کر رہے ہیں۔ یہاں کے تعلیم یافتہ مسلمان اور طلبہ مغرب سے آنے والی ہر چیز کو حرفِ آخر سمجھتے ہیں اور اسلام پر مغرب کے نقطۂ نظر سے تنقید کرتے ہیں۔ یہ فتنہ بہت تیزی سے پھیل رہا ہے۔

تیسرا فتنہ قادیانیت کا ہے خصوصیت سے نائیجیریا کے یوربا مسلمان، جو مغربی نائیجیریا میں لیگاس میں اور شمالی اور مغربی نائیجیریا کی سرحد پر رہتے ہیں، اس فتنے کے شکار ہو رہے ہیں۔ جو مسلمان مغربیت یا عیسائیت سے بچے ہوئے ہیں اور دین سے دلچسپی رکھتے ہیں اور اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں، قادیانی اُن کو اپنا لٹریچر مفت دیتے ہیں طلبہ کو ربوہ سے برابر لٹریچر ملتا رہتا ہے۔ تین چار سال قبل تک ان لوگوں کی عملی سرگرمیاں مغربی نائیجیریا اور خصوصاً لیگاس تک محدود تھیں۔ لیکن اب ان کے مراکز شمالی نائیجیریا میں بھی کھل گئے ہیں۔ اس سلسلے میں ایک بہت اہم بات عرض کرنا ضروری ہے۔ یہاں جتنے پاکستانی آئے تقریباً سب نے اپنے طور پر دین کا کام کیا جس کا اثر یہ ہُوا کہ یہاں کے عام مسلمان اور خصوصیت سے طلبہ پاکستانی مسلمانوں کے دینی جذبہ اور معلومات سے متاثر ہوئے اور سمجھنے لگے کہ پاکستانی مسلمان اچھے مسلمان ہیں اور صحیح دین کی تعلیم دیتے ہیں۔ بدقسمتی سے قادیانی بھی چونکہ پاکستانی ہیں اس لیے جب وہ دین کو پیش کرتے ہیں تو مسلمان اس کو بھی صحیح سمجھ کر فوراً قبول کر لیتے ہیں۔ ہو سکتا تھا کہ یہ لوگ اگر پہلی منزل پر مرزا غلام احمد کو پیغمبر کہہ کر پیش کرتے تو مسلمان بھڑک جاتے لیکن یہ لوگ بہت چالاکی کے ساتھ پہلے صرف اُن باتوں کو پیش کرتے ہیں جن پر کسی مسلمان کو کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اور جب آدمی اس منزل پر آجاتا ہے کہ اپنے مبلّغوں کی ہر بات پر آمنا وصدقنا کہہ دے، تب یہ قادیانیت کے انجکشن لگاتے ہیں۔ ان کی فتنہ سامانی اسی پر ختم نہیں ہوتی۔ یہ لوگ پاکستان اور اس کے عام مسلمانوں کے خلاف بھی پروپیگنڈا کرتے رہتے ہیں۔ ہندوستان اور پاکستان کی جنگ کے دوران انہوں نے اپنے ماننے والوں کو پاکستان کے حق میں دعا مانگنے سے یہ کہہ کر روکا کہ پاکستان کے مسلمانوں میں اور ہندوستان کے کافروں میں کوئی فرق نہیں، اس لیے کسی کے لیے دعا کرنے کا کوئی سوال نہیں، البتہ امن کی دعا مانگو۔[۱]

[۱] حاشیہ اگلے صفحہ پر

عیسائیوں کے چند اعتراضات یا سوالات جو بالعموم وہ مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کے خلاف شکوک شبہات پیدا کرنے کے لیے پیش کرتے ہیں نیچے لکھ رہا ہوں۔

۱۔ سب سے پہلا اعتراض جو تاریخ کی ساری کتابوں میں ملتا ہے وہ یہ ہے کہ اسلام اور قرآن انسانوں کو غلام بنانے کی اجازت دیتا ہے اور ان کو آختہ کرنے کی بھی اجازت دیتا ہے۔ مثال میں وہ ان عربوں کو پیش کرتے ہیں جو مشرقی افریقہ اور وسط افریقہ سے غلام خرید کرلے جایا کرتے تھے۔ یہ اعتراض بڑی عیاری سے کیا جاتا ہے۔ جب عرب غلاموں کی تجارت کرتے ہیں تو ان کے لیے لفظ عرب نہیں بلکہ لفظ مسلم استعمال کیا جاتا ہے لیکن جب امریکی، انگریز، ڈچ اور پرتگالی یہی کام کرتے ہیں تو ان کو عیسائی نہیں کہا جاتا بلکہ انگریزی یا امریکن کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

۲۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ ثبوت میں وہ جنگ اُحد سے لے کر قبائلی جنگوں تک کو پیش کرتے ہیں۔

۳۔ تیسرا اعتراض یہ ہے کہ مسلمانوں کی پسماندگی کی وجہ اسلام ہے۔ کہتے ہیں کہ اسلام کی تعلیمات اور سائنس میں بیر ہے۔ اسی لیے مسلمانوں میں سائنس دان پیدا نہیں ہوتے اور اسی لیے مسلم ممالک ترقی یافتہ نہیں ہیں۔

۴۔ چوتھا اعتراض یہ ہے کہ اسلام چار شادیوں کی اجازت دیتا ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں عورت کی حیثیت لونڈی سے زیادہ نہیں۔

اِن اعتراضات کے علاوہ اور بہت سے اعتراضات ہیں لیکن یہ بہت عام ہیں۔ ان کے جوابات میں صرف مدافعتی رویہ اختیار کرنا مفید نہیں بلکہ عیسائیت پر زیادہ سے زیادہ اعتراضات کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ عیسائیت کی ساری کمزوریاں نمایاں کرنے کی ضرورت ہے۔

خط بہت طویل ہو گیا لیکن میں نے اپنا فرض سمجھا کہ آپ کو سارے حالات تحریر کردوں تاکہ آپ صحیح رائے قائم کر کے مشورے سے مستفید فرما سکیں۔

لہ (حاشیہ صفحہ سابق) مراسلہ نگار کے اس بیان کی تصدیق ہمیں متعدد دوسرے ملکوں کے لوگوں سے بھی ملی ہے جہاں قادیانیوں کا رویہ ایسا ہی کچھ تھا۔ اور اس کی وجہ ظاہر ہے۔ جن لوگوں کا اصل مرکز دینی، قادیان، ہندوستان کے قبضے میں ہے، وہ پاکستان کی خاطر ہندوستان سے بگاڑ کیسے مول لے سکتے ہیں (ترجمان القرآن)۔

رسائل و مسائل

کیا مسیحی مشنریوں کے لیے مسلم ممالک کے دروازے کھلے رہنے چاہییں؟

سوال - امریکہ سے میرے ایک دوست نے یہ خط لکھا ہے کہ وہاں کے عرب اور مسلمان طلبہ آپ سے اِن دو سوالات کے جوابات چاہتے ہیں۔ سوالات یہ ہیں:

۱ کیا اسلامی ملکوں کو دوسرے مذاہب کے مبلغوں پر پابندی لگانی چاہیے۔ خاص طور پر عیسائی مشنریوں پر؟ اس بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر کیا ہے؟

۲- اگر پابندی لگانا دینی طور پر لازم ہے تو عیسائی ممالک بھی مسلمان مبلغوں پر پابندی لگا دیں گے۔ اس صورت میں اسلام کا پیغام عالم انسانیت تک کیسے پہنچایا جا سکتا ہے؟

جواب: ان سوالات کو پیش کرتے ہوئے آپ کے دوست نے شاید یہ سوچا ہو گا کہ اگر ہم مغربی ممالک میں اسلام کی تبلیغ کرنے والوں کا داخلہ کھلا رکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں مغربی مشنریوں کے لیے اپنا دروازہ کھلا رکھنا چاہیے، ورنہ اُن کے مشنریوں پر اپنا دروازہ بند کر کے ہمارا اُن سے یہ کہنا کہ ہمارے دین کی تبلیغ کے لیے وہ اپنا دروازہ کھلا رکھیں، انصاف اور معقولیت کے خلاف ہو گا۔ مگر میرا خیال اس کے بالکل برعکس ہے۔ میرے نزدیک عیسائی مشنری سینکڑوں برس سے دنیا کے مختلف ملکوں میں جو طریقے اپنی تبلیغ کے لیے استعمال کرتے رہے ہیں، اور جس بڑے پیمانے پر چند مغربی ملکوں سے اس کام کے لیے سرمایہ فراہم ہوتا رہا ہے، اور اس سرمائے سے مشن کے تختۂ مشق ملکوں میں جو گُل کھلائے جاتے رہے ہیں، ان کو دیکھتے ہوئے کوئی معقول آدمی انصاف کے نام پر ہم سے یہ مطالبہ نہیں کر سکتا کہ ہم اِن مشنریوں کے لیے اپنے دروازے کھلے رکھیں۔ بلکہ انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہم تمام بیرونی مشنریوں کو بلا تاخیر اپنے ملکوں سے نکال باہر کریں اور آئندہ کے لیے ان میں سے کسی کو

اپنے ہاں نہ گھسنے دیں۔ اس کے جواب میں اگر اسلام کے مشن اور مشنریوں کا داخلہ مغربی ملکوں کی طرف سے بطور انتقام بند بھی کر دیا جائے تو ہمیں اس کی پروا نہ کرنی چاہیے۔ لیکن ان کی طرف سے یہ انتقامی کارروائی بجائے خود قطعی نامعقول اور خلاف انصاف ہوگی، کیونکہ مسلمانوں نے کبھی دنیا کے کسی ملک میں "تبلیغِ دین" کے نام سے وہ ہتھکنڈے استعمال نہیں کیے ہیں، اور نہ آج کہیں وہ کر رہے ہیں، جو عیسائی مشنریوں کے طرۂ امتیاز ہیں۔ اور کسی مغربی ملک کو ہمارے کسی مشن یا کسی مشنری سے کبھی اُن شکایات کا برائے نام بھی کوئی موقع نہیں ملا ہے جن سے ہمارے سینے فگار ہیں۔

میری اس بات میں اگر کسی کو شک ہو تو اسے چاہیے کہ ایشیا اور افریقہ میں عیسائی مشنریوں کے کارناموں کی تاریخ سے کچھ واقفیت حاصل کرے، اور اُن طریقوں کا مطالعہ کرے جو انہوں نے اپنی تبلیغ کے لیے مختلف ملکوں میں استعمال کیے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ یہ مشن دنیا کے اکثر و بیشتر ملکوں میں مغربی استعمار کا ہراول دستہ رہے ہیں۔ افریقہ کے ایک لیڈر نے اپنے برّاعظم میں اُن کے کارنامے کا خلاصہ اِن الفاظ میں بیان کیا ہے:

"اہلِ مغرب جب ہمارے ہاں آئے تو ان کے ہاتھ میں کتاب تھی اور ہمارے ہاتھ میں زمین۔ کچھ مدت بعد دیکھا گیا کہ کتاب ہمارے ہاتھ میں ہے اور زمین ان کے ہاتھ میں۔"

استعمار کا راستہ ہموار کرنے کے بعد جہاں بھی یہ لوگ کسی مغربی قوم کو کسی ایشیائی یا افریقی ملک پر مسلط کرانے میں کامیاب ہو گئے ہیں وہاں انہوں نے اقتدار اور دولت کی دوہری مدد سے کام لے کر اپنے دین کو زبردستی بھی قوموں پر مسلط کرنے کی کوشش کی ہے اور روپے کے زور سے بھی ان کے ایمان و ضمیر کو خریدا ہے۔ بعض ملکوں میں استعمار نے تعلیم کا پورا شعبہ اِن کے حوالے کر دیا اور انہوں نے کسی کو اُس وقت تک تعلیم نہیں دی جب تک وہ عیسائی نہ ہو گیا، یا بدرجۂ آخر اپنا نام بدل کر عیسائی نام رکھنے پر آمادہ نہ ہوا۔ بعض ملکوں میں انہوں نے پورے پورے علاقوں کو ازروئے قانون اپنی محفوظ چراگاہ بنوا لیا اور ان میں کسی دوسرے مذہب کے مبلغ تو درکنار محض پیرو کے داخلے میں بھی رکاوٹیں عائد کرا دیں۔ جنوبی سوڈان اس کی بدترین اور نمایاں ترین مثال ہے۔ انگریزی حکومت نے اس کو بالکل

عیسائی مشنریوں کے حوالے کر دیا تھا اور شمالی سوڈان کے کسی مسلمان کو خاص پرمٹ لیے بغیر وہاں جانے نہیں دیا جاتا تھا، خواہ وہ تبلیغ کے لیے نہیں بلکہ اپنے کسی ذاتی کام ہی کے لیے وہاں جا رہا ہو۔ سوڈان کی آزادی کے بعد جب قومی حکومت آئی اور اس نے جنوبی سوڈان میں مشنریوں کی اس امتیازی حیثیت کو ختم کر دیا تو انہوں نے وہاں بغاوت کرا دی، اور آج کئی برس ہو چکے ہیں کہ یہ لوگ حبش کی عیسائی حکومت اور گرد و پیش کے دوسرے عیسائی علاقوں کی مدد سے حکومت سوڈان کے خلاف فتنے پر فتنے برپا کرائے چلے جا رہے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ پیچیدہ مسائل انہوں نے جنوبی ویتنام میں پیدا کیے، جہاں عیسائی اقلیت نے بودھ اکثریت کو عملاً اپنا تابع فرمان بنا کر رکھنے کے لیے بار بار سازشیں کی ہیں۔

خود ہمارے ملک میں انگریزی اقتدار کے آتے ہی اول اول تو یہ مشنری انتہائی جارحانہ انداز میں مسلمانوں کے دین پر حملہ آور ہوتے تھے۔ پھر جب انگریزی حکومت کو اس سے سیاسی پیچیدگیاں رونما ہونے کا خطرہ لاحق ہوا، تو یہ پالیسی بدل کر نیا طریقہ اختیار کیا گیا کہ ان کے مدرسوں، کالجوں، ہسپتالوں اور مختلف نوعیت کے دوسرے اداروں کو طرح طرح کی وسیع مراعات عطا کی گئیں، مفت یا برائے نام قیمت پر زمینیں دی گئیں، بیش قرار مالی گرانٹ دیئے گئے، بیرونی ممالک سے بھی ان پر روپے کی بارش ہوتی رہی، اور ان ذرائع سے انہوں نے ایک طرف لالچ کے ہتھیار استعمال کر کے غریبوں کے دین و ایمان خریدے، اور دوسری طرف انہوں نے اس کوشش میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی کہ جو مسلمان ان کے ہتھے چڑھیں وہ اگر عیسائی نہ بنائے جا سکیں تو مسلمان بھی نہ رہنے دیئے جائیں۔

مشرقِ اوسط میں یہی وہ فتنہ پرداز تھے جنہوں نے ترکوں کو تورانی قومیت اور عربوں کو عربی قومیت کے سبق پڑھا پڑھا کر آخر ایک دوسرے سے لڑا دیا اور دولت عثمانیہ کے ٹکڑے اڑا دیئے۔ اسلام کی اولین علمبردار، یعنی عرب قوم کے اندر گمراہی کے اتنے بیج انہوں نے بوئے کہ ان میں بڑی بڑی سیاسی اور ادبی و علمی، اور ثقافتی تحریکیں اس بنیاد پر اٹھنے لگیں کہ اصل چیز عرب قومیت ہے نہ کہ اسلام۔

سوال یہ ہے کہ یہ حرکات واقعی "تبلیغ دین" جیسے معصوم نام سے موسوم کیے جانے کے لائق ہیں اور ان کے مرتکبین کو واقعی یہ حق پہنچتا ہے کہ انہیں مذہب کے نام پر اپنا کام کرنے کی کھلی چھٹی دی جائے؟

میں نہیں سمجھتا کہ اُن کی اِس تاریخ اور اُن کے ان کارناموں کو دیکھ کر کوئی انصاف پسند اور معقول آدمی کبھی یہ کہہ سکتا ہے کہ دنیا کے ملکوں میں ان کے لیے "مذہبی تبلیغ" کے حقوق محفوظ رہنے چاہییں۔ یا یہ رائے ظاہر کر سکتا ہے کہ اگر ہم اپنے ملکوں میں اِن مشنریوں کا داخلہ بند کریں تو مغربی ممالک اپنے ہاں ہمارے مشنریوں کا داخلہ بند کرنے میں حق بجانب ہوں گے۔

اس سلسلے میں یہ بات بھی سمجھ لیجیے کہ مذہبی تبلیغ کے جس منظم ادارے کو "مشن" اور جس پیشہ ور مبلّغ کو "مشنری" کہا جاتا ہے وہ پہلے تو مسلمانوں میں قطعی مفقود تھا، اور اب بھی وہ شاذ و نادر ہی کہیں پایا جاتا ہے۔ اسلام کی تبلیغ ہمیشہ عام افرادِ مسلمین نے کی ہے جو اپنے نجی کاموں کے لیے دنیا کے مختلف حصّوں میں گئے ہیں۔ ان کو جہاں بھی لوگوں سے سابقہ پیش آیا وہاں لوگ ان کی باتیں سُن کر اور ان کے طرزِ عبادت اور طرزِ زندگی کو دیکھ کر اسلام قبول کرتے چلے گئے۔ اس نوعیت کی تبلیغ کا راستہ دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ اس لیے اگر مغربی ممالک اسلام کے مشن اور مشنری کا داخلہ اپنے ہاں روک بھی دیں تو ہمیں اس سے کوئی خطرہ نہیں۔ جب تک مسلمان کا داخلہ کسی جگہ کھلا ہے اسلام کے داخلے کا راستہ بھی وہاں کھلا ہے۔ (ا۔م)

مسجد کے منبر و محراب اور میناروں کی مصلحت

سوال۔ ایک صاحب نے اپنے ایک مضمون میں ایک ایسی مسجد کا نقشہ پیش کیا ہے جس میں منبر، محراب، مینار کچھ نہ ہو۔ وہ اسلامی فنِ تعمیر کی تاریخ کی رُو سے ثابت کرتے ہیں کہ محراب اور مینار حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بعد بنائے گئے ہیں، اس لیے یہ اسلامی فنِ تعمیر کا حصّہ نہیں ہیں۔ اسلامی ڈیزائن وہ ہے جس پر پہلے مسجد نبوی بنی تھی اور اسی کے مطابق مساجد بنائی جانی چاہییں۔

کیا یہ نقطۂ نظر اسلام کی رُو سے صحیح ہے؟

جواب - شریعت میں مسجد کے لیے کوئی خاص طرزِ تعمیر مقرر نہیں ہے، اس لیے کسی خاص طرز پر مسجد بنانا نہ فرض ہے نہ ممنوع۔ صاحبِ مضمون کا یہ استدلال صحیح نہیں ہے کہ جس طرز پر حضورؐ نے مسجد نبوی ابتداءً تعمیر فرمائی تھی، تمام مساجد ہمیشہ کے لیے اسی طرز پر تعمیر ہونی چاہییں۔ مختلف مسلمان ملکوں میں مساجد کی تعمیر کے لیے ہمیشہ سے مختلف ڈیزائن اختیار کیے جاتے رہے ہیں۔ ان میں جس قاعدے کو ملحوظ رکھا گیا ہے وہ یہ ہے کہ مسجد کی شکل عام عمارات سے اتنی مختلف ہو، اور اپنے ملک یا علاقے میں ایسی جانی پہچانی ہو کہ اس علاقے یا ملک کا ہر شخص دُور سے اس کو دیکھ کر یہ جان لے کہ یہ مسجد ہے اور اسے نماز کے وقت مسجد تلاش کرنے میں کوئی زحمت پیش نہ آئے۔ اسی قاعدے کے مطابق دنیا کے مختلف ملکوں میں مسجد کا ایک خاص طرزِ تعمیر ہوتا ہے اور اس کے لیے ایسی نمایاں علامات رکھی جاتی ہیں جو اُن ملکوں میں مسجد کی امتیازی علامات ہونے کی حیثیت سے معروف ہوتی ہیں۔ ہمارے ملک میں بھی مساجد کا بالعموم ایک طرزِ تعمیر رائج ہے۔ اس کو بدل کر بالکل ایک نرالا طرزِ تعمیر رائج کرنا اور اس کے لیے مسجدِ نبوی کے ابتدائی طرز سے استدلال کرنا خواہ مخواہ کی اُپچ ہے۔

رہا منبر، تو یہ ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے خود مسجد نبوی میں لکڑی کا منبر بنوایا تھا تاکہ خطبہ دیتے وقت بڑے مجمع میں خطیب سب لوگوں کو نظر آسکے۔

محراب مسجدوں میں تین مصلحتوں سے رکھی جاتی ہے۔ ایک یہ کہ آگے چونکہ صرف امام کھڑا ہوتا ہے اس لیے تھوڑی سی جگہ اس کے لیے زائد بنا دی جاتی ہے تاکہ محض ایک آدمی کے لیے پُوری ایک صف کی جگہ خالی نہ رہے۔ دوسرے یہ کہ محراب کی وجہ سے امام کی آواز پیچھے کی صفوں تک پہنچنے میں سہولت ہوتی ہے۔ تیسری مصلحت یہ ہے کہ محراب بھی مسجد کی امتیازی علامات میں سے ہے۔ کسی عمارت کو آپ پشت کی طرف سے بھی دیکھیں تو اس میں محراب آگے نکلی دیکھ کر فوراً پہچان جائیں گے کہ یہ مسجد ہے۔ یہی مصلحت مسجد پر مینار وغیرہ بنانے کی بھی ہے۔

(ا-م)

عُشر کے چند مسائل

سوال :- چند مسائل عُشر و خراج اراضی توضیح طلب ہیں۔ ان کی تفصیل بیان کر کے تشفی فرمائیں۔ پاکستان کی زمینیں میرے نزدیک عشری نہیں بلکہ خراجی ہیں اور موجودہ حکومت جو ہم سے مالیہ وصول کرتی ہے اس کو خراج کا حکم دیا جا سکتا ہے۔ تاریخ کی کتب بھی اس طرف اشارہ کر رہی ہیں۔ حضرت محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی فتوحات پر کامل ابن اثیر ج ۴ ص ۲۰۵ میں لکھا ہے کہ ان کی زمینیں اور اموال اور جانیں سب محفوظ رکھی گئیں۔ زمینوں پر حسبِ قاعدہ شرعیہ خراج مقرر کر دیا گیا۔ پھر ۳۹۲ھ میں جے پال نے گرفتار ہو کر سلطان محمود کی خدمت میں عرض کیا "میری خطا معاف کیجئے اور مجھ کو چھوڑ دیا جاوے۔ میں اب تا زیست فرمانبرداری سے انحراف نہ کروں گا اور سالانہ خراج بلا عذر و حیلہ بھیجتا رہونگا۔" یہی خراج تمام مسلمانوں کے دورِ حکومت میں رہا۔ مغلیہ خاندان میں بھی یہی عمل رہا، جیسا کہ آئینِ اکبری میں ہے۔ تاریخ کی کتب میں ہماری اراضی پر کبھی عشر کی وصولی کا سراغ نہیں ملتا۔ لہٰذا ہماری اراضی کا وظیفہ عشر کی بجائے خراج ہونا قرینِ قیاس معلوم ہوتا ہے اور پھر خراج بھی موجودہ ٹیکس (مطالبہ) کی صورت میں وصول ہو جاتا ہے کیونکہ اراضی مسلم پر دو ٹیکس (عشر و خراج) جمع نہیں ہو سکتے۔ لا یجتمع علی مسلم خراج و عشر (رواہ ابن عدی فی الکامل از فتح القدیر ج ۴)

بصورت دیگر ہماری اراضی عشری ہیں تو پھر جن اراضی کو نہری پانی سے سیراب کیا جاتا ہے اس پر حکومت دو قسم کے ٹیکس وصول کرتی ہے۔ ایک کا نام آبیانہ (اجرت پانی)، دوسرے کا نام مطالبہ (خراج)، تو ایسی اراضی پر نصف عُشر رہے گا یا سالم عشر، اور مطالبہ وضع کرنے کے بعد یا قبل؟

اکثر مالک اراضی مزارعین سے کاشت کراتے ہیں جن کے ساتھ نصف نصف حصہ طے پاتا ہے۔ بعض مالک اراضی نوکر رکھتے ہیں۔ ان کی تنخواہیں مقررہ اسی اراضی کی آمدنی سے بصورت

جنس اگر جنس مقرر ہو یا بصورت نقد ادا کی جاتی ہے۔ بعض مالک اراضی خود کاشت کرتے ہیں۔
اب عشر دونوں فریقوں پر رہے گا یا صرف مالک اراضی پر رہے گا۔ اگر دونوں پر رہے تو بٹائی سے قبل یا بعد؟ پھر اس میں پانچ وسق کا نصاب مقرر ہے یا قلیل و کثیر پر عشر ہوگا ؟
احناس کے علاوہ چارہ جو کاشت کیا جاتا ہے اکثر و بیشتر بیل کاشت کرنے والے کھا جاتے ہیں، بعض حصہ فروخت کیا جاتا ہے۔ اب اس میں عشر ہے یا نہیں ؟

جواب - ہندو پاکستان کی زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کے مسئلے پر اگرچہ بحث ہوتی رہتی ہے، لیکن اس دیار کے مستند علماء کا، جن میں حنفی، اہلحدیث سب شامل ہیں، فتویٰ یہی ہے کہ مسلمانوں کی مملوکہ اراضی پر عشر ادا کرنا ہی زیادہ صحیح اور محتاط مسلک ہے۔ جو مسلمان زمین سے پیداوار حاصل کرتا ہے وہ آتُوا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ کا مخاطب ہے اور عشر کی ادائیگی کا بہر صورت مکلف ہے۔ آپ نے جو عبارات نقل کی ہیں وہ اس معاملے میں کوئی صحیح اور مفید رہنمائی نہیں دے سکتیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہر مسلمان حکمران جو بھی زرعی محصول وصول کرے اسے شرعاً عشر یا خراج کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ عشر یا خراج کی تعریف میں صرف وہی ٹیکس آسکتا ہے جو اسلامی نظامِ حکومت کے زیرِ اہتمام اسی نیت کے ساتھ اور انہی قواعد و مقاصد کے تحت لیا اور دیا جائے جو شریعت میں عشر و خراج کے لیے مقرر ہیں۔ زمین پر جو رائج الوقت مالیہ عائد کیا جاتا ہے، اس میں عشر یا خراج کا کوئی بعید ترین تصور بھی کارفرما نہیں ہے۔ اب اگر اس مالیے کو عشر یا خراج کا نام دے کر کوئی زمیندار عشر کا انکار کر سکتا ہے تو اسی طرح ایک سرمایہ دار اور کارخانہ دار بھی کہہ سکتا ہے، کہ میں جو سرمائے یا اموال پر مختلف ٹیکس دیتا ہوں، ان سے میری زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قیصر کا حق تو قیصر کو مل جائے گا مگر خدا کا حق ہی وصول ہونے سے رہ جائے گا۔

لا یجتمع علی مسلم خراج و عشر کی جس روایت کا ذکر آپ نے کیا ہے وہ نہایت ضعیف ہے اور اس بات کو امام ابن ہمام نے بھی تسلیم کیا ہے۔ اس کے متعدد راوی مجروح ہیں جیسا کہ درایہ میں ابن حجرؒ نے تصریح کی ہے، چنانچہ امام مالک، شافعی اور احمد وغیرہ فقہاء نے اسے ناقابلِ حجت قرار دیتے ہوئے مسلمان مالک کی خراجی زمین پر بھی عشر لازم قرار دیا ہے۔ تاہم اگر اس روایت کو صحیح اور قابلِ استنا[...]

کر بھی لیا جائے تو اس سے جو استدلال فقہائے حنفیہ نے کیا ہے وہ یہ نہیں ہے کہ جس زمین سے بھی دو محاصل میں سے ایک ادا ہو جاتے، اس پر دوسرا عائد نہ ہوگا، بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر زمین فی الاصل عشری ہو، تو اس پر سے خراج وصول ہو جانے کے باوجود عشر ساقط نہ ہوگا، البتہ اگر زمین بالتحقیق خراجی ہو تو اس سے خراج یا عشر، دونوں میں سے ایک اگر لے لیا جائے۔ تو دوسرا عائد نہ ہوگا۔ اب ہماری زمینوں کا مسئلہ اگر مختلف فیہ بھی قرار دیا جائے، تب بھی اگر فی الحقیقت یہ خراجی کے بجائے عشری ہوئیں تو ان پر حنفی مسلک کی رو سے بھی عشر بہر حال لازم ہوگا، خواہ ان سے خراج وصول ہُوا ہو یا نہ ہُوا ہو، اس لیے احتیاط و اتقاء کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان صاحب پیداوار ہر حال میں عشر دے تاکہ عنداللہ بری الذمہ قرار پائے۔

جہاں تک آبیانے کا تعلق ہے، اُسے بھی عشر کا قائم مقام قرار نہیں دیا جاسکتا، البتہ اس کی وجہ سے عشر نصف ہو جائے گا لیکن حساب کرتے وقت پیداوار میں سے آبیانہ وضع نہیں کیا جائے گا کیونکہ مصنوعی آبپاشی پر محنت و صرف کی رعایت شریعت نے از خود تخفیف عشر کی صورت میں دے دی ہے۔ اب یہ صحیح نہیں کہ ایک طرف عُشر بھی آدھا دیا جائے اور دوسری طرف عشر محسوب کرتے وقت آبیانہ بھی منہا کر لیا جائے۔ ہاں، عشر ادا کرنے سے پہلے پیداوار میں سے مالیہ وضع ہو سکتا ہے۔

فقہائے حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ اخراجات کاشت کو عشر نکالتے وقت پیداوار میں سے کم نہ کیا جائے، عام حالات میں اس پر عمل ہونا چاہیے۔ بٹائی کی صورت میں فریقین کو اپنے اپنے حصہ پیداوار پر عشر دینا چاہیے۔ احناف کا فتویٰ یہ ہے کہ عشر میں کوئی نصاب معتبر نہیں ہے، لیکن پانچ وسق (تقریباً ۱۹ من) کا نصاب صحیح احادیث میں مروی ہے اور صاحبین نے اسے تسلیم کیا ہے، اس لیے کوئی غریب کاشتکار اگر اس نصاب سے کم پر عُشر نہ دے تو اس میں مضائقہ نہیں ہے۔

چارہ جسے کاٹ کر فروخت یا ذخیرہ کیا جائے، اس کی مالیت پر بھی ۱/۱۰ عشر دینا چاہیے۔ احناف کے نزدیک ہر قسم کی زرعی پیداوار پر عشر واجب ہے اس سے مستثنیٰ صرف وہ اشیاء ہیں جو قصداً نہ بوئی گئی ہوں یا بالکل بے قدر و قیمت ہوں۔ مثلاً خود رو گھاس، سرکنڈے، جھاڑ جھنکاڑ وغیرہ جو قابل خرید و فروخت نہ ہوں ان پر عشر نہ ہوگا۔

(ع - غ)

(بقیہ اشارات)

قطعی حل کے لیے قوم کو تیار کرے۔

مجلسِ شوریٰ نے الاخوان المسلمون پر ظلم و ستم، اریٹیریا کی حالتِ زار، یمن کی خانہ جنگی، کشمیر کی دردناک صورتِ حال اور برما کے مسلمانوں کی مظلومیت پر جو مختلف قراردادیں پاس کی ہیں وہ کوئی ایسے تاثرات نہیں جنہوں نے وفعتاً الفاظ کی صورت اختیار کر لی ہو۔ ان ممالک میں یہ خونی ڈرامہ پوری دنیا کے سامنے کھیلا جارہا ہے۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ وہ مہذب دنیا جس نے جانوروں پر بے رحمی کے انسداد کے لیے بڑے بڑے محکمے اور ادارے قائم کر رکھے ہیں، ان ممالک کی آبادیوں کو تباہ و برباد ہوتے دیکھ کر قطعاً متاثر نہیں ہوتی۔ کیا مسلمان انسان نہیں ہیں؟ کیا ظلم و استبداد سے انہیں تکلیف نہیں پہنچتی؟ کیا قتل و غارت سے ان کی نسلیں اور آبادیاں برباد نہیں ہوتیں؟ ظلم بہرحال ظلم ہے خواہ وہ کوریا میں کیا جائے یا ویتنام میں یا کشمیر میں۔ اور انسانی جان ہر جگہ قابلِ احترام ہے خواہ وہ مصر کی ہو یا امریکہ اور روس کی۔ لیکن دنیا کی روش دیکھتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے کہ اُس کے نزدیک مسلمان کے خون، اُس کی عزت و آبرو کی کوئی قیمت نہیں۔ جو سر پھرا جس وقت چاہے اس کا خون بہائے، اور اس کا گھر برباد کر دے۔ اشتراکی دنیا ہو یا مغربی دنیا، دونوں طرف کسی دل میں بھی اس پر کوئی اضطراب برپا نہیں ہوتی۔ جن لوگوں کی تنگ نظری کا یہ عالم ہو کہ انہیں مسلم قوم پر ڈھائے جانے والے لرزہ خیز مظالم بھی نظر نہ آتے ہوں اور جن کے دل تعصبات کی وجہ سے اتنے بے حس اور شقی ہو گئے ہوں کہ اس قوم کی آہیں اور نالے ان کے احساسِ مُردہ کو جگا نہ سکتے ہوں، اُن سے انسانیت اگر کسی خیر کی توقع رکھتی ہے تو یہ محض ابلہ فریبی ہے۔ جن لوگوں کی انسانیت مسخ ہو جائے اُن سے فلاح و کامرانی کی امیدیں وابستہ کرنا پرلے درجے کی حماقت اور بیوقوفی ہے۔

رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۳۴۰

مقصدِ زندگی کو سمجھنے کیلئے چند بلند پایہ کتب

تحریکِ اسلامی کا آئندہ لائحہ عمل

— از: سید ابوالاعلیٰ مودودی —

غیر اسلامی ماحول میں دعوتِ اسلامی کا طریقۂ کار،

- جمہوری ملک میں اسلامی انقلاب کی سبیل،
- دینی اور لادینی قوتوں کی کشمکش کے درمیان صحیح لائحہ عمل
- برصغیر پاک و ہند میں پچھلی ربع صدی کی کشمکش کا تجزیہ
- آفسٹ کی عمدہ کتابت و طباعت۔ قیمت ۳ روپے

تعلیمات

— از: سید ابوالاعلیٰ مودودی —

(نظر ثانی شدہ ایڈیشن)

- موجودہ نظامِ تعلیم کے بنیادی نقائص؟
- مسلمانوں کے لیے صحیح نظامِ تعلیم کی بنیادیں؟
- ایک اسلامی یونیورسٹی کے لیے نصابی خاکہ،
- تعلیمی کمیشن کے سوالنامہ کا مفصل جواب قیمت ۲،۲۵ روپے

مسئلہ جبر و قدر

— از: سید ابوالاعلیٰ مودودی —

- مسئلہ جبر و قدر کی حقیقت اور اس کے بارے میں صحیح اسلامی مسلک۔
- عقیدۂ تقدیر کی افادیت اور اس کے زندگی پر اثرات
- فکر و نظر کی الجھنوں کا اطمینان بخش حل۔
- آفسٹ کی عمدہ طباعت۔ قیمت ۱٫۸۰ روپیہ

سفرنامہ ارض القرآن

— از: محمد عاصم —

- مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے پاکیزہ سفر کی روداد
- قرآن مجید میں مذکور مقامات کی تلاش و تحقیق
- اُمم سابقہ کی مستند اور مفصل سرگزشت۔
- عرب ممالک کے تمدنی، معاشی اور سیاسی حالات کا جائزہ
- خوبصورت گردپوش۔ قیمت ۴/۷۵ روپے

اسلام اور اجتماعیت

— از: مولانا صدرالدین اصلاحی —

- دین میں اجتماعیت کا کیا مقام ہے؟
- اجتماعیت کی اہمیت اور اس کے زندگی پر اثرات
- اسلامی اجتماعیت کی ہیئت کاملہ
- منظم اسلامی زندگی گذارنے کیلئے ایک ناگزیر کتاب

قیمت صرف۔ ۲/۷۵ روپے

فریضۂ اقامتِ دین

— از: مولانا صدرالدین اصلاحی —

(نیا اضافہ شدہ ایڈیشن)

- امت مسلمہ کا نصب العین اور مقصد وجود کیا ہے؟
- فریضۂ اقامت دین کی اہمیت اور ادائیگی کے طریقے۔
- ملت کے خوابیدہ ذہن کو جھنجھوڑنے والی کتاب۔

قیمت ۲٫۵۰ روپے

اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ شاہ عالم مارکیٹ لاہور